www.cpsglobal.org
www.mwkhan.com

الرسالہ

Al-Risala

January-February 2025 • Rs. 40

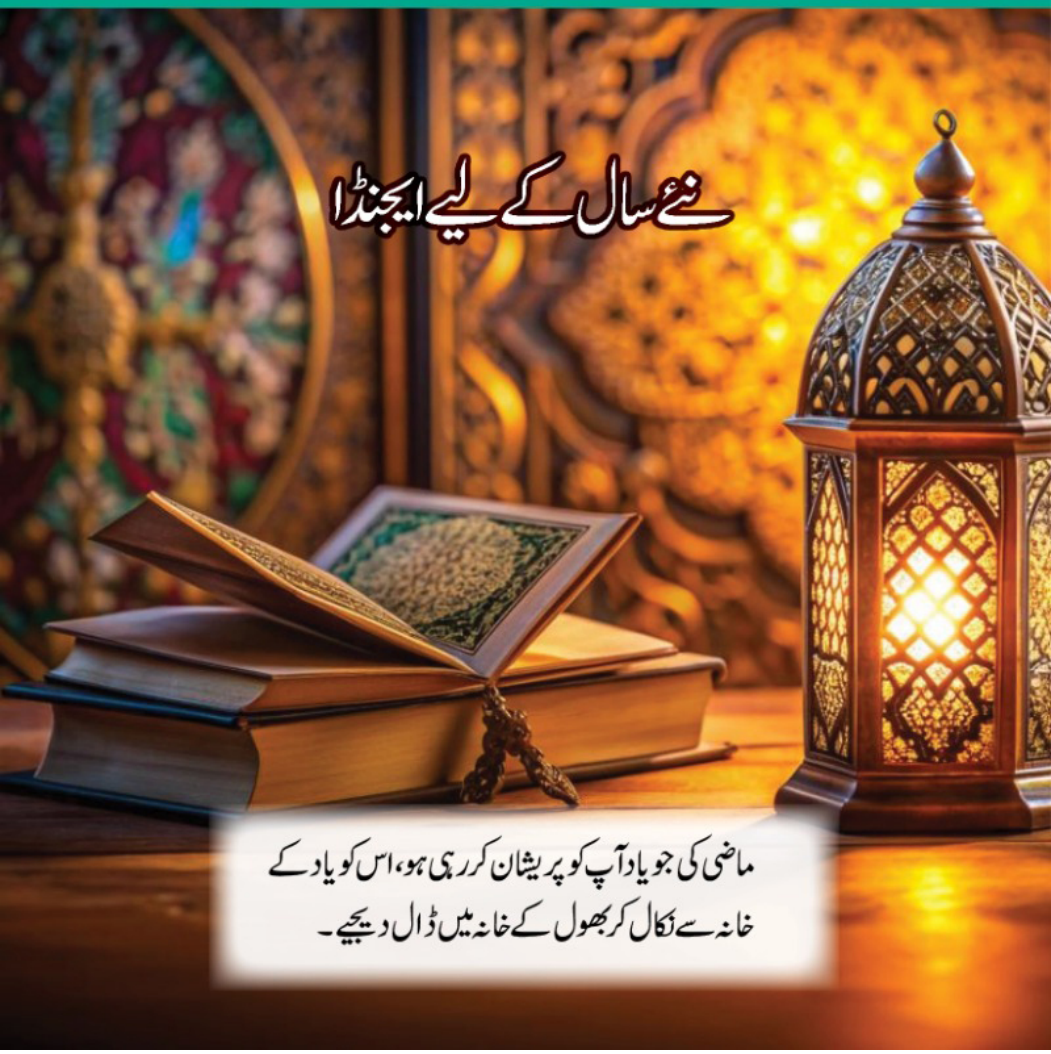

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الرسالہ

Jan-Feb 2025 | Volume 50 | Issue 1

Prof. Farida Khanam
Editor-in-Chief

Dr. Stuti Malhotra
Editor (Hindi Section)

Farhad Ahmad
Assistant Editor

Al-Risala
1, Nizamuddin West Market
New Delhi 110013
Mobile: 8588822679, Tel. 0120 4314871
Email: cs.alrisala@gmail.com

Annual Subscription Rates

Retail Price	₹ 40 per copy
Subscription by Book Post	₹ 200 per year
Subscription by Regd. Post	₹ 400 per year
Subscription (Abroad)	US $20 per year

Bank Details
Saniyasnain Khan
State Bank of India
A/c No: 30087163574
IFSC Code: SBIN0009109

To order books by
Maulana Wahiduddin Khan
please contact Goodword Books
Tel. 0120 4314871, Mobile: 8588822675
Email: sales@goodwordbooks.com

تحریر

مولانا وحید الدّین خاں

فہرست

زندگی قیمتی کیسے 4
نئے سال کے لیے ایجنڈا 5
فل اسٹاپ نہیں 9
برائی کو روکو 10
تعارفِ جنت 11
جنت کا ریلائزیشن 12
ہدایت کا قانونِ فطرت 13
تسبیح فاطمہ کا سبق 14
اسلام میں عورت 15
فہم قرآن کی کلید 17
فریڈم اور سرینڈر کے درمیان 18
غصہ نہیں 19
حکیمانہ کلام 20
حوصلہ نہ ہارو 21
آئیڈیالوجی کی طاقت 22
دعا کی حقیقت 24
ذنوب کی معافی 25
زہد ایک عظیم عمل 26
تواضع کی صفت 27
دوسرا قرآن 28
ایک خط 29
ختم نبوت 30
دین کی سیاسی تعبیر 31
عالمی اسلامی اتحاد 33
زوالِ امت 34
فوق الفطری حکم 36
تعمیری طریقہ 38
ایک انٹرویو 39
ڈائری 1986 42
شخصیت پرستی، تربیت سازی 45
خبرنامہ اسلامی مرکز 47

अशुभ से शुभ 1
सीमाबद्धता का नियम 3
हक़ीकत पसन्दी 5
6 अप्रैल 7
ग़रीबी का सबब 8
एक आत्महत्या 9
बच्चों की तरबियत 11
इबरतनाक 14
पहला स्कूल 15
द्वेष आदमी के दीन को खा जाता है 16
ईमानदारी के साथ साझेदारी करने वालों का साथी खुदा होता है 16

Printed and published by Saniyasnain Khan on behalf of Al-Markazul Islami, New Delhi
Printed at Tara Art Printers Pvt. Ltd. A46-47, Sector 5, Noida-201301
Published from 1, Nizamuddin West Market, New Delhi-110013 Editor: Saniyasnain Khan

زندگی قیمتی کیسے

اپنی زندگی کو قیمتی بنانے کا راز کیا ہے۔ میرے خیال میں، اس کا راز ہے — آدمی کے اندر فرقان کی صلاحیت (art of differentiation) کا پیدا ہونا۔ یعنی چیزوں کو ایک دوسرے کے مقابلے میں فرق کر کے دیکھنا۔ جو لوگ تمیز کی قوت سے بے خبر ہوں، وہ مختلف راستوں میں دوڑتے رہیں گے، اور صحیح راستہ اختیار نہیں کر پائیں گے۔

اس آرٹ کا ایک پہلو یہ ہے کہ چیزوں کے درمیان ڈی لنکنگ کی صلاحیت انسان کے اندر موجود ہو۔ جن لوگوں کے اندر یہ آرٹ موجود ہو، وہ اپنے وقت کو بے فائدہ کاموں میں الجھانے سے بچا لیں گے۔ وہ ایک اور دوسری چیز کے فرق کو جان کر اپنی کوشش کو زیادہ درست طور پر استعمال کریں گے۔

آرٹ آف ڈفرینسی ایشن آنے سے زندگی قیمتی کیسے ہو جاتی ہے۔ وہ اس طرح کہ ایسا آدمی اس سے بچ جاتا ہے کہ وہ کام کے فرق کو نہ جاننے اور غیر متعلق چیزوں میں ڈسٹریکٹ (distract) ہو کر اپنے وقت کو ضائع کرتا رہے۔ اسی کو قرآن میں فرقان کہا گیا ہے۔ قرآن کے الفاظ یہ ہیں: يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَتَّقُوا اللهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا (8:29)۔ یعنی اے ایمان والو، اگر تم اللہ سے ڈرو گے تو وہ تمہارے لیے فرقان عطا کرے گا۔

تقویٰ سے فرقان کیسے پیدا ہوتا ہے۔ تقویٰ آدمی کو حساس بناتا ہے۔ ایسے آدمی کو اس بات کی فکر ہو جاتی ہے کہ وہ غلط کام نہ کرے تاکہ وہ اللہ کی پکڑ سے بچ جائے۔ جس آدمی کے اندر یہ مزاج پیدا ہو جائے، وہ اس قابل ہو جائے گا کہ وہ کنڈیشننگ کی نفسیات سے اوپر اٹھ کر درست منصوبہ بندی کرے۔ وہ عمل کرنے سے پہلے سوچے۔ وہ دوسروں سے مشورہ کرے۔ وہ آبجیکٹیو مائنڈ کے ساتھ معاملے میں غور کرے۔

ایسا آدمی اس قابل ہو جاتا ہے کہ وہ ڈی لنکنگ پالیسی اختیار کرے۔ وہ متعلق (relevant) اور غیر متعلق (irrelevant) کے فرق کو جانے۔ ایسے آدمی کی منصوبہ بندی زیادہ درست اور مبنی بر حقیقت ہوگی۔ جس آدمی کے اندر یہ صلاحیت پائی جائے، وہ یقیناً کامیاب انسان ہے۔

نئے سال کے لیے ایجنڈا

ایجنڈا ہمیشہ دو چیزوں کی بنیاد پر بنتا ہے۔ ماضی کا تجربہ اور حال و مستقبل کے امکانات۔ ان دونوں پہلوؤں کو دیکھتے ہوئے مسلمانوں کا ایجنڈا یہ ہونا چاہیے کہ وہ ماضی کی غلطیوں کو دوبارہ نہ دہرائیں اور نئے امکانات کو جان کر ان کو بخوبی طور پر استعمال کریں۔

اس اعتبار سے غور کیجئے تو ہندستانی مسلمانوں کے لیے پہلا کام یہ ہے کہ وہ منفی طرزِ فکر کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیں اور پوری طرح مثبت طرزِ فکر کو اختیار کرلیں۔ دور اول کے مسلمانوں نے جو بے نظیر کامیابی حاصل کی اس کا سب سے بڑا راز یہ تھا کہ ان میں کا ہر فرد مکمل معنوں میں مثبت سوچ (positive thinking) کا مالک تھا۔ وہ، قرآن کے مطابق عسر میں یسر (94:5-6) کا پہلو تلاش کرلیتا تھا۔ وہ بظاہر شکست کے واقعہ میں فتح کا راز دریافت کرلیتا تھا۔

خلیفۂ دوم عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں 14ھ میں ایران فتح ہوا۔ فتح سے پہلے کا واقعہ ہے۔ ایران کے شہنشاہ یزدگرد نے مسلم لشکر کے سردار سعد بن ابی وقاص کو پیغام بھیجا کہ بات چیت کے لیے اپنا سفیر بھیجیں۔ چنانچہ مسلمانوں کا ایک وفد ایرانی شہنشاہ یزدگرد سے گفتگو کے لیے اس کے دربار میں گیا۔ کسی بات پر یزدگرد ناراض ہوگیا، اور اس نے مسلم ڈیلیگیشن کی بے عزتی کے لیے ان کے ایک رکن عاصم بن عمرو کے سر پر مٹی کا ٹوکرا رکھوا کر واپس کردیا۔ وہ اپنے سر پر مٹی کا ٹوکرا لیے ہوئے سعد بن ابی وقاص کے پاس پہنچے۔ مگر حضرت سعد نے اس کو منفی طور پر نہیں لیا، بلکہ یہ کہا کہ تم کو خوش خبری ہو۔ خدا کی قسم، اللہ نے ہمیں ان کے اقتدار کی کنجیاں دے دیں (أَبْشِرُوا فَقَدْ وَاللّٰهِ أَعْطَانَا اللّٰهُ أَقَالِيدَ مُلْكِهِمْ)۔ تاریخ بتاتی ہے کہ مسلم سلطنت ہر روز ترقی کرتی گئی اور ایرانی سلطنت سمٹتی چلی گئی (البدایۃ والنہایۃ، جلد 9، صفحہ 628)۔

یہی اسلام کی تعلیم ہے کہ عسر میں یسر دیکھو۔ منفی واقعہ میں بھی مثبت پہلو تلاش کرو۔ اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ شعوری طور پر، نہ کہ مجبوری کے تحت، منفی سوچ اور منفی بولی کو مکمل طور پر ترک

کر دیں۔ وہ شعوری فیصلے کے تحت مثبت طرز فکر کو پوری طرح اپنا لیں۔

موجودہ دور کی سب سے خوش آئند علامت یہ ہے کہ جدید معاشی انفجار نے دنیا کے سیاسی اور معاشی اور سماجی حالات کو یکسر بدل دیا ہے۔ اس تبدیلی کا سب سے زیادہ امید افزا پہلو یہ ہے کہ ہر قسم کے مواقع ہر ایک کے لیے لامحدود حد تک کھل گئے ہیں۔ اس کی ایک علامت یہ ہے کہ جمعہ اور عید کے موقع پر مسجدوں کے سامنے کاروں کی بھیڑ لگ جاتی ہے۔ اور ٹھیلے والوں کی جیب میں اسمارٹ فون بج کر یہ اعلان کرتا ہے کہ معاشی مواقع اب اتنے زیادہ بڑھ گئے ہیں کہ خواص سے لے کر عوام تک ہر ایک کو اس کا فائدہ پہنچ رہا ہے۔ اسی طرح سیاسی اور سماجی شعبوں میں بھی حالات پوری طرح بدل گئے ہیں۔

ان تبدیلیوں کا پہلا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ مسلمانوں کے لیے اب خارجی حالات کے مقابلے میں دفاع یا تحفظ کا کوئی مسئلہ باقی نہیں رہا۔ اب مسلمانوں کو صرف یہ کرنا ہے کہ وہ نئے حالات اور نئے مواقع کو پہچانیں اور اپنے اندر وہ اہلیت (competence) پیدا کریں جن کے ذریعے وہ نئے مواقع کو استعمال کر سکیں۔ تمثیل کی زبان میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ بارش ہو چکی ہے۔ اب کسی کسان کو صرف اس کی بے عملی ہی محروم رکھ سکتی ہے، درست منصوبہ بندی کے ساتھ عمل کرنے والے کسان کے لیے اب محرومی کا کوئی سوال نہیں۔ یہاں اس سلسلے میں چند ضروری پہلوؤں کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

1۔ نئے حالات نے انگریزی زبان اور کمپیوٹر لٹریسی کی اہمیت بہت زیادہ بڑھا دی ہے، یعنی انفارمیشن ٹکنالوجی (IT)۔ اب ترقی کے لیے انگریزی زبان اور کمپیوٹر لازمی ہو چکے ہیں۔ دار العلوم دیوبند نے اِس اہمیت کو محسوس کیا اور اپنے یہاں انگریزی اور کمپیوٹر کا کورس باقاعدہ طور پر جاری کر دیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ ملک کے تمام مدرسوں اور دینی اداروں کو بلا تاخیر ایسا ہی کرنا چاہیے۔

2۔ اب تک مسلم نوجوانوں میں یہ رجحان رہا ہے کہ وہ زیادہ تر آرٹ سائڈ (Humanities) میں داخلہ لے کر پڑھتے تھے۔ یہ رجحان اب زمانے کے خلاف رجحان بن چکا ہے۔ آرٹ سائڈ میں بی اے اور ایم اے کرنے کی معاشی اعتبار سے اب بہت کم افادیت رہ گئی ہے۔ مسلم نوجوانوں کو اب بلا تاخیر یہ

کرنا ہے کہ وہ انگریزی زبان اور ٹیکنیکل سبجیکٹس میں اچھی لیاقت پیدا کریں۔ خوش قسمتی سے آج کل ہر جگہ اس کی سہولتیں پیدا ہوگئی ہیں۔ مسلم نوجوانوں کو ان سہولتوں سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہیے۔

3۔ یہ ایک عام مشاہدہ ہے کہ مسلمان شادیوں میں اور دوسری تقریبات میں بہت زیادہ خرچ کرتے ہیں۔ اس قسم کا خرچ فکری پس ماندگی کی علامت ہے۔ قدیم زمانے میں جب کہ خرچ کے ذرائع بہت محدود تھے تو لوگ شادیوں اور تقریبات میں اپنا پیسہ خرچ کیا کرتے تھے۔ اب پیسے کے استعمال کے دوسرے زیادہ وسیع اور تعمیری ذرائع وجود میں آچکے ہیں۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے پیسے کو جدید تعمیری کاموں میں خرچ کرنا سیکھیں۔ مثلاً اعلیٰ معیار کے اسکول، ٹیوشن بیوروز، پروفیشنل ٹریننگ سنٹر، ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹس، وغیرہ۔

4۔ موجودہ زمانے میں ہر چیز کا معیار بدل گیا ہے۔ مثلاً پچھلے دَور میں خاندانی منجن کی اہمیت ہوا کرتی تھی۔ اب سائنسی طریقوں سے بنائے ہوئے ٹوتھ پیسٹ نے اہمیت اختیار کرلی ہے۔ پچھلے دَور میں شاہی نسخے بڑی چیز سمجھے جاتے تھے۔ اب ساری اہمیت سائنٹفک فارمولے کی ہوگئی ہے۔ پہلے زمانے میں بیل گاڑی لوہے کے دُھرے پر چلتی تھی، اب گاڑیاں بال بیرنگ کے اوپر دوڑتی ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ زمانے کی اس تبدیلی کو سمجھیں اور نئی تکنیک کو سیکھ کر ہر میدان میں اعلیٰ ترقی حاصل کریں۔

5۔ 1947 کے بعد مختلف اسباب سے مسلمان رزرویشن کو اپنے لیے کامیابی کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ جدید حالات نے ساری اہمیت کامپیٹیشن کو دے دی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ اب رزرویشن کی بات ایک خلافِ زمانہ نعرہ بن چکا ہے۔ اب مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنی ملّی ڈکشنری سے رزرویشن کا لفظ نکال دیں۔ اور ساری توجہ محنت اور منصوبہ بندی پر لگائیں۔ موجودہ زمانے میں یہی ترقی کا واحد راستہ ہے۔

6۔ 1947 کے بعد مسلمانوں میں سیاسی اعتبار سے نگیٹیو پالیسی کا طریقہ رائج ہوگیا۔ یہ طریقہ مستقل ملّی مفاد کے لیے سخت مہلک ہے۔ وہ جمہوری تقاضوں کے سراسر خلاف ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ پازیٹیو سیاسی پالیسی کو اختیار کریں۔ یہی موجودہ زمانے میں اُن کے لیے کامیابی کا واحد راستہ ہے۔

7۔ انتخابی پالیسی کے معاملے میں مسلمانوں کو اپنا ذہن مکمل طور پر بدلنا ہے۔ اب تک ان کا رجحان اِس معاملے میں یہ رہا ہے کہ پورے ملک کے لیے ایک ملّی پالیسی اختیار کریں۔ موجودہ حالت میں اِس قسم کی انتخابی پالیسی مسلمانوں کے لیے مفید نہیں۔ مفید سیاسی پالیسی صرف یہ ہے کہ مسلمان مقامی حالات کے اعتبار سے الگ الگ اپنی انتخابی پالیسی بنائیں۔ وہ ملکی پالیسی کا طریقہ ختم کردیں۔

8۔ 1947 کے بعد سے مسلمانوں کے اوپر تحفظاتی ذہن غالب رہا ہے۔ وہ ملّی شناخت کے تحفظ کو سب سے بڑی چیز سمجھتے رہے ہیں۔ موجودہ گلوبلائزیشن کے دَور میں اِس قسم کی تحفظاتی پالیسی غیر مفید ہے۔ مسلمانوں کے لیے صحیح پالیسی یہ ہے کہ وہ ملّی شناخت کو اپنا کنسرن بنانے کے بجائے پیغام خداوندی کو تمام انسانوں تک پہنچانے کو اپنا نشانہ بنائیں۔ وہ ملک میں دینے والے (giver) گروہ کی حیثیت سے اپنا مقام حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

9۔ دَورِ جدید کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس نے میل ملاپ اور اختلاط (interaction) کو بہت زیادہ بڑھا دیا ہے۔ یہ تبدیلی ترقیاتی سرگرمیوں سے بہت زیادہ جڑی ہوئی ہے۔ ایسی حالت میں اب "علاحدہ مسلم پاکٹ" کا تصور ایک فرسودہ تصور بن چکا ہے۔ اب مسلمانوں کو علاحدہ مسلم پاکٹ جیسی پالیسی کو مکمل طور پر ختم کردینا چاہیے۔ دورِ جدید میں ترقی کے اعلیٰ مقام پر پہنچنے کے لیے یہ بے حد ضروری ہے۔

10۔ پچھلے سَو سال سے بھی زیادہ مدت سے پوری دنیا کے مسلمانوں نے اپنی آفاقیت (universality) کو ملّت تک محدود کر رکھا ہے۔ دورِ جدید کا تقاضا ہے کہ وہ اِس محدودیت کو ختم کردیں۔ وہ اپنی آفاقیت کو پوری انسانیت کے ساتھ جوڑیں۔ وہ جدید اصطلاح کے مطابق، اپنے آپ کو گلوبل ولیج کا ایک حصہ سمجھیں۔ وہ بین الملّی سیاست کے بجائے بین الانسانی سیاست کو اختیار کریں۔ اِسی آفاقیت میں ان کی دینی اور ملّی ترقی کا راز چھپا ہوا ہے۔

اس سلسلے میں سب سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ موجودہ زمانہ منصوبہ بندی (planning) کے ساتھ کام کرنے کا زمانہ ہے۔ نہ صرف ہندستانی مسلمان بلکہ ساری دنیا کے مسلمان موجودہ زمانے میں

منصوبہ بندی کے ساتھ کام کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ اس کا بنیادی سبب یہ ہے کہ منصوبہ بندی عملی امکانات کو سامنے رکھ کر کی جاتی ہے جب کہ مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ وہ صرف اپنے جذبات کو جانتے ہیں۔ وہ اپنے جذبات اور امنگوں کی بنیاد پر اپنے عمل کا نقشہ بناتے ہیں۔ اپنے اس مزاج کی بنا پر وہ جذباتی اقدام تو بہت کرتے ہیں مگر منصوبہ بند عمل میں وہ ناکام رہتے ہیں۔ مسلمانوں کو اپنے اس مزاج کو بدلنا ہوگا۔ اگر انھوں نے اپنے اس مزاج پر قابو نہ پایا تو مستقبل میں بھی وہ اسی طرح ناکامی کی مثال قائم کریں گے جس طرح وہ ماضی میں ناکامی کی مثالیں قائم کرتے رہے ہیں۔

موجودہ مسلمانوں کو اگر مجھے ایک مشورہ دینا ہو تو میں کہوں گا کہ — جذباتی کارروائیوں سے بچیے اور سوچے سمجھے عمل کا طریقہ اختیار کیجیے، اور پھر کامیابی آپ کے لیے اتنا ہی یقینی بن جائے گی جتنا کہ آج کی شام کے بعد کل کی صبح کو سورج کا نکلنا۔

فل اسٹاپ نہیں

تاریخ میں بے شمار ایسی مثالیں ملتی ہیں، جب کہ ایک مرد یا عورت کو کوئی حادثہ پیش آیا ہو اور اس حادثہ نے اس کو بظاہر معذور (disabled) بنا دیا ہو۔ لیکن اس انسان نے اپنی زندگی کی ری پلاننگ کی اور اپنے عمل سے یہ ثابت کیا کہ اگرچہ بظاہر وہ ایک معذور انسان ہے، لیکن وہ ایک اور پہلو سے پوری طرح ڈفرنٹلی ایبلڈ انسان (differently abled person) ہے۔ اس حقیقت کو معروف سائنٹسٹ اسٹیفن ہاکنگ (1942-2018) کی مثال سے ہم سمجھ سکتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اس دنیا میں انسان کا سفر کبھی رکتا نہیں۔ اگر اس کی پہلی پلاننگ نتیجہ خیز ثابت نہ ہو تو وہ دوسری پلاننگ (re-planning) کے ذریعہ اپنے آپ کو کامیاب بنا سکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ ہر رکاوٹ کے بعد اپنے سفر کو از سر نو جاری رکھنے کا آرٹ جان لے۔

برائی کو روکو

ایک حدیث رسول ان الفاظ میں آئی ہے: مَا مِنْ قَوْمٍ يُعْمَلُ فِيهِمْ بِالْمَعَاصِي ثُمَّ يَقْدِرُونَ عَلَى أَنْ يُغَيِّرُوا ثُمَّ لَا يُغَيِّرُوا، إِلَّا يُوشِكُ أَنْ يَعُمَّهُمُ اللّٰهُ مِنْهُ بِعِقَابٍ (سنن ابو داؤد، حدیث نمبر 4338)۔ یعنی، کسی بھی قوم میں اگر گناہ کیے جائیں اور قدرت رکھنے کے باوجود لوگ گناہ گاروں کو نہ روکیں تو قریب ہے کہ خدا ان سب کو عذاب میں مبتلا کردے۔

ایک اور روایت کے الفاظ یہ ہیں: والَّذِي نَفْسِي بِيدِه لتأْمُرُنَّ بالمَعْرُوفِ، ولتَنْهَوُنَّ عن المُنْكرِ، أو ليُوشِكنَّ اللّٰه يَبْعثُ عليكُم عِقابًا مِنْهُ، ثُمَّ تَدْعُونهُ، فلا يستجيبُ لكُم (سنن الترمذی، حدیث نمبر 2309)۔ یعنی، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، ضرور ہے کہ تم لوگ نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو۔ ورنہ جلد ہی خدا تم سب پر عذاب بھیج دے گا۔ پھر تم خدا کو پکارو گے مگر وہ تم کو کوئی جواب نہ دے گا۔

حدیث میں اس قسم کی جو ہدایتیں نقل ہوئی ہیں وہ اصلاً سماجی ہدایتیں ہیں، نہ کہ سیاسی ہدایتیں۔ یعنی ان کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی حکمراں کو "ظالم" قرار دے کر اس کے خلاف شور وغل کرو اور انصاف قائم کرنے کے نام پر اس کو اقتدار سے بے دخل کرنے کی مہم چلاؤ۔ اس قسم کی اسلامی سیاست محض موجودہ زمانہ کی سیاسی پارٹیوں کی نقل ہے۔ اس کا مذکورہ اسلامی ہدایت سے کوئی تعلق نہیں۔ ان ہدایات کا مخاطب معاشرہ کا ہر فرد ہے، نہ کہ کوئی سیاسی نظام۔

کسی معاشرہ میں ہمیشہ تھوڑے آدمی ہوتے ہیں جو شرارت کرتے ہیں۔ اگر معاشرہ ایک زندہ معاشرہ ہو تو جب لوگ دیکھتے ہیں کہ ایک پڑوسی دوسرے پڑوسی کو ستا رہا ہے۔ ایک رشتہ دار دوسرے رشتہ دار کو تکلیف دے رہا ہے۔ ایک صاحب معاملہ دوسرے صاحب معاملہ کے کو حقوق ادا نہیں کرتا تو ایسے معاشرہ میں مظلوم کو خود اپنے آس پاس ایسے لوگ مل جاتے ہیں جو اس کی حمایت میں کھڑے ہو جائیں۔ وہ ظالم کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ اپنی شرارتوں سے باز آئے۔ ایسے سماج میں برائیاں پیدا ہوتی ہیں مگر وہ وہیں کی وہیں ختم ہو جاتی ہیں۔ اس کے برعکس، جب سماج کے لوگوں کا حال

یہ ہو جائے کہ وہ اپنے سامنے برائی کے واقعات کو لاتعلقی کے انداز میں (indifferently) دیکھنے لگیں تو دھیرے دھیرے ان خرابیوں کے نتیجہ میں ایسے فتنے ابھرتے ہیں جو پورے سماج کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں۔

ماحول کا دباؤ سب سے بڑا دباؤ ہے حتیٰ کہ حکومت اور عدالت سے بھی زیادہ۔ اگر آس پاس کا ماحول برائی کو روکے اور حق کی حمایت میں کھڑا ہو جائے تو کبھی برائیاں پھیل نہیں سکتیں۔ اس کے برعکس، جب سماج کے افراد برائی کو دیکھنے کے باوجود خاموش رہیں تو اس سے بیک وقت دو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ ایک طرف برائی کرنے والے کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے اور دوسری طرف مظلوم کے اندر انتقام اور بے اعتمادی۔ یہ دونوں چیزیں وقت کے ساتھ بڑھتی رہتی ہیں۔ یہاں تک کہ وہ وقت آتا ہے کہ برائیاں بڑھ کر خود ان لوگوں کو نقصان پہنچانے لگتی ہیں جو اپنے کو مامون سمجھ کر برائی کے معاملہ میں غیر جانب دار بن گئے تھے۔

تعارفِ جنت

قرآن میں ایک آیت ان الفاظ میں آئی ہے: وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ (47:6)۔ یعنی اور ان کو جنت میں داخل کرے گا جس کی اس نے انھیں پہچان کرا دی ہے۔ قرآن کی اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت کا تعارف اس دنیا میں کرا دیا گیا ہے۔ یہ تعارف کہاں ہے۔ وہ کیا چیز ہے، جس کو جنت کا تعارف کہا جائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ دورِ جدید کے ریفرنس میں یہ تعارف صنعتی تہذیب ہے۔ صنعتی تہذیب جو سائنس کی تحقیقات پر مبنی ہے۔ اس نے یہ کیا ہے کہ فطرت میں چھپے ہوئے خزانے کو دریافت کیا، اور اس کو انسان کے لیے قابلِ مشاہدہ اور قابلِ استعمال بنا دیا۔

فطرت کی دنیا میں ہمیشہ سے اللہ کی بہت سے نعمتیں چھپی ہوئی تھیں۔ لیکن انسان ان کے بارے میں کوئی علم نہ رکھتا تھا۔ مثلاً موٹر کار اور ہوائی جہاز۔ اسی طرح دوسری تمام سائنسی دور کی مصنوعات ہیں۔ انسان نے فطرت میں چھپی ہوئی ان نعمتوں کو دریافت کیا، اور اس کو قابلِ استعمال بنایا۔ یہ تمام سائنسی دریافتیں دورِ جدید کے انسانوں کے سامنے بہت ہی محدود سطح پر جنت کا تعارفی گلمپس (glimps) پیش کرتی ہیں۔

جنت کا ریلائزیشن

دودھ پتھری (ضلع بڈگام، کشمیر) قدرتی خوبصورتی سے مالا مال ایک مقام ہے، جو سری نگر سے چالیس کیلومیٹر کی دوری پر واقع ہے۔ اس کی خوبصورتی کی بنا پر سیاح اس کو سوئز رلینڈ سے تعبیر کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ مجھے یہ مقام دیکھنے کا موقع ملا ہے۔ دودھ پتھری واقعی انتہائی خوبصورت مقام ہے۔ اس جگہ کو دیکھتے ہوئے مجھے ایسا لگا جیسے میں جنت کی پرامن اور پرسکون دنیا میں پہنچ گئی ہوں، جہاں غم اور سفرنگ (suffering) سے خالی ایک خوشیوں بھری ابدی زندگی ہوگی۔ ایک سیاح نے نیچر پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ بامعنی جملہ کہا ہے — نیچر میں زندگی کے لیے ہر چیز موجود ہے:

"Everything necessary for life is present in nature."

میں نے اس تبصرہ کو پڑھا تو مجھے لگا کہ ایک متلاشی انسان نے یہ بیان اپنے فطری جذبہ کے تحت جنت کے لیے دیا ہے۔ پھر میں سوچنے لگی کہ یہی زندگی اصل زندگی (real life) ہے۔ لیکن ہم کیوں سمجھ نہیں پاتے۔ اس لیے کہ اللہ نے موجودہ دنیا میں جنت کے اوپر امتحانی مقصد کے تحت ایک پردہ ڈال دیا ہے۔ یہاں مختلف قسم کے مسائل ہیں: سفرنگ، غم، بیماری، بڑھاپا، ایکسیڈنٹ، برے لوگ اور ڈسٹریکشن، وغیرہ۔ اس لیے انسان ہمیشہ دنیا کے مسائل میں پھنسا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ ابدی جنت کو دریافت کیے بغیر اس دنیا سے چلا جاتا ہے۔ حالانکہ اگر وہ یہاں اُس ابدی جنت کو دریافت کر لیتا تو دنیا کے مسائل اس کو محسوس ہی نہیں ہوتے۔

مولانا وحید الدین خاں صاحب اپنی زندگی کے آخری سال بیمار رہے، لیکن وہ کبھی کسی بات کی شکایت نہیں کرتے تھے۔ ہم لوگ جب پوچھتے تھے کہ آپ کو کوئی تکلیف ہے؟ تو کہتے کہ نہیں، سب ٹھیک ہے۔ چہرے سے بھی تکلیف کا اظہار نہیں ہوتا تھا۔ اب میں سوچتی ہوں تو سمجھ میں آتا ہے کہ مولانا صاحب خدا اور جنت میں جیتے تھے۔ اس لیے دنیا کی مصیبتیں ان پر کوئی اثر نہیں ڈالتی تھیں۔ اسی طرح ہمیں بھی اپنے آپ کو دنیا کے عارضی مسائل (temporary problems) سے اوپر اٹھ کر جینے والا بنانا ہے۔ (ڈاکٹر فریدہ خانم)

ہدایت کا قانونِ فطرت

فطرت کا ایک قانون قرآن میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے: وَاللّٰهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (2:213)۔ یعنی، اللہ جس کو چاہتا ہے سیدھی راہ دکھا دیتا ہے۔ جو شخص خدا کے قانونِ فطرت کو دریافت کرے، اور اس کو اپنی زندگی میں پوری صدق دلی (sincerity) سے اپنا لے، وہ صراطِ مستقیم کے لیے اللہ کی مدد کا مستحق بن جاتا ہے۔ اس کے بعد کوئی چیز نہیں ہوتی، جو اس کو صراطِ مستقیم سے ہٹا دے، اور صراطِ مستقیم پر قائم رہنا، اس دنیا میں کامیابی کی یقینی ضمانت ہے۔

یہی وہ مقام ہے، جس کو حدیث میں تمثیل کی زبان میں اس طرح بیان کیا گیا ہے: میرا بندہ کسی چیز کے ذریعے میرا قرب حاصل نہیں کرتا جو مجھے ان اعمال سے زیادہ محبوب ہو، جو میں نے اس پر فرض کیے ہیں۔ پھر میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ یہاں تک کہ میں اس کا کان بن جاتا ہوں، جس سے وہ سنتا ہے، اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں، جس سے وہ دیکھتا ہے، اور اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں، جس سے وہ پکڑتا ہے (كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ، وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ، وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا) اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ اور اگر وہ مجھ سے سوال کرے، تو میں اسے ضرور عطا کرتا ہوں، اور اگر وہ مجھ سے پناہ مانگے، تو میں پناہ دیتا ہوں (صحیح البخاری، حدیث نمبر 6502)۔

صراطِ مستقیم کیا ہے۔ صراطِ مستقیم یہ ہے کہ اللہ کے مقرر کیے ہوئے طریقے پر چلتے ہوئے اپنا سفر طے کرنا۔ یہ راستہ ہمیشہ وہ ہوتا ہے، جو خود غرضی سے پاک ہوتا ہے، جو تعصب سے پاک ہوتا ہے، غلو اور شدت پسندی سے پاک ہوتا ہے، جو منفی سوچ سے پاک ہوتا ہے۔ اس سے آدمی اس قابل بن جاتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو نو پرابلم پرسن بنا لے اور معرفتِ خداوندی میں جینے لگے۔ ایسا اس وقت ہوتا ہے جب کہ وہ کبر کی نفسیات سے پوری طرح پاک ہو۔ اس کے اندر خدا کے لیے بھی پاک جذبات ہوں، انسانوں کے لیے بھی پاک جذبات ہوں۔ اس سوچ کو دوسرے الفاظ میں مبنی برتزکیہ سوچ کہہ سکتے ہیں۔

تسبیح فاطمہ کا سبق

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چھوٹی صاحب زادی ہیں۔ ہجرت سے قبل 605ء میں وہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے پیدا ہوئیں۔ رسول اللہ کی وفات کے 6 مہینے بعد 632ء میں مدینہ میں ان کا انتقال ہوا۔ ان کا نکاح حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ اس وقت حضرت فاطمہ کی عمر 18 سال تھی۔ مشہور روایات کے مطابق، حضرت فاطمہ سے چار بچے پیدا ہوئے — حسن، حسین، زینب، ام کلثوم رضی اللہ عنہم۔ حضرت فاطمہ سے 18 حدیثیں مروی ہیں۔

حضرت فاطمہ کی زندگی محنت اور مشقت کی زندگی تھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ہمیں مجھے ایک خادم دیجیے۔ رسول اللہ نے فرمایا کہ کیا میں تم دونوں کو اس سے زیادہ اچھی چیز نہ بتاؤں (أَلَا أَدُلُّكُمَا عَلَى مَا هُوَ خَيْرٌ لَكُمَا مِنْ خَادِمٍ)۔ حضرت فاطمہ نے کہا، ہاں۔ چنانچہ آپ نے حضرت فاطمہ کو وہ مشہور تسبیح بتائی، جو "تسبیح فاطمہ" کے نام سے مشہور ہے (صحیح البخاری، حدیث نمبر 6318)۔ اس تسبیح پر نہ صرف حضرت فاطمہ نے ساری عمر عمل کیا، بلکہ وہ عام طور پر امت کی عورتوں اور مردوں کا ایک مستقل معمول بن گیا۔

اس طرح حضرت فاطمہ کے ذریعہ امت میں ایک اہم مثال قائم ہوئی۔ یہ مثال کہ باپ کی طرف سے اپنی بیٹی کے لیے اچھا تحفہ کیا ہے، اور یہ کہ بیٹی کس طرح خوش دلی کے ساتھ اس تحفہ کو قبول کر لے۔ یہ واقعہ ہمیشہ کے لیے ایک اعلیٰ مثال کی حیثیت رکھتا ہے۔ بیٹی نے اپنے باپ سے مادی عطیہ مانگا تھا، لیکن باپ نے اپنی بیٹی کو روحانی عطیہ (spiritual gift) دیا۔ دوسری طرف، بیٹی نے اپنی مانگ پر اصرار نہیں کیا، بلکہ باپ کی طرف سے جو کچھ دیا گیا تھا، اس کو خوش دلی کے ساتھ قبول کر لیا۔

خصوصی طور پر اس واقعہ میں ایک عورت کے لیے یہ سبق ہے کہ اس دنیا میں اس کا سب سے بڑا سرمایہ دعا ہے، نہ کہ مادی عطیات۔ حضرت فاطمہ کے ذریعہ یہ مثال قائم ہوئی کہ انسان کو ہر حال میں میں دعا میں جینا چاہیے، نہ کہ شکایات اور مطالبات میں۔

اسلام میں عورت

عورت نصفِ انسانیت

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلیہ حضرت عائشہ صدیقہ سے ایک مسئلہ پوچھا گیا۔ اُنہوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی قسم کا ایک سوال کیا گیا تھا۔ آپ نے اس مسئلہ کا جواب عورت اور مرد کے تعلق سے ایک اہم اسلامی اصول یہ بیان کیا: عورتیں بلا شبہ مردوں کا شقیقہ ہیں (إِنَّمَا النِّسَاءُ شَقَائِقُ الرِّجَال) سنن ابوداؤد، حدیث نمبر 236، سنن الترمذی، حدیث نمبر 113۔

شقیق یا شقیقہ عربی زبان میں کسی چیز کے درمیان سے پھٹے ہوئے دو برابر برابر حصے کو کہتے ہیں۔ اسی سے دردِ شقیقہ بولا جاتا ہے۔ یعنی وہ درد جو سر کے آدھے حصہ میں ہو۔ اوپر کی روایت میں اسی مفہوم میں عورت کو مرد کا شقیقہ کہا گیا ہے۔ یہ عورت کی حیثیت کی نہایت صحیح تعبیر ہے۔ اسلام کے مطابق عورت اور مرد دونوں ایک کُل کے دو برابر برابر اجزاء ہیں، اس کُل کا آدھا عورت ہے اور اُس کا آدھا مرد۔

قاضی ابوبکر ابن العربی المالکی (وفات 543ھ) نے اس حدیث کی شرح میں یہ الفاظ لکھے ہیں: أَنَّ الخِلقَة فيهم واحدةٌ، والحكمُ فيهم بالشّريعة سواء (المسالِک فی شرح موطّا مالک، جلد 2، صفحہ 216)۔ یعنی ان دونوں کی تخلیق ایک ہے، ان کے بارے میں شریعت کا حکم برابر ہے۔ بدرالدین العینی (وفات 855ھ) نے اس کی شرح ان الفاظ میں کی ہے: وَالْمعْنَى أَن النِّسَاء نَظَائِر الرجل وأمثالهم فِي الْأَخْلَاق والطباع كأنهن شُقِقْنَ مِنْهُم (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، جلد 3، صفحہ 235)۔ یعنی اس کا مطلب یہ ہے کہ عورتیں مردوں کے ہم رتبہ اور ان کی مانند ہیں، اپنے اخلاق اور پیدائش کے اعتبار سے، گویا وہ ان سے ٹکڑے ہو کر الگ ہوئی ہوں۔

دوسرے الفاظ میں، عورت اور مرد ایک دوسرے کا تکملہ (supplement) ہیں۔ اس اعتبار سے یہ بات عین درست ہوگی کہ عورت کو نصفِ انسانیت کا لقب دیا جائے۔

کیا اسلام میں عورتوں کو مارنے کی اجازت ہے

یہ غلط فہمی سورہ النساء کی آیت نمبر 34 کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ مگر اس آیت میں عورتوں کو

مارنے کی اجازت نہیں ہے، یہ تنبیہ کی زبان ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں بیک وقت 9 خواتین تھیں۔ سوال یہ ہے کہ رسول اللہ نے ان خواتین کو مارا؟ یہ ثابت ہے کہ ان خواتین سے رسول اللہ کو بعض امور میں نزاع ہوئی، لیکن رسول اللہ نے کسی خاتون کو کبھی نہیں مارا۔ اس کے برعکس، رسول اللہ برابر اپنے اصحاب کو اس قسم کی نصیحت کرتے تھے: إِنَّ أَكْمَلَ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا، وَأَلْطَفُهُمْ بِأَهْلِهِ (مسند احمد، حدیث نمبر 24677)۔ یعنی بے شک ایمان کے اعتبار سے مکمل مومن وہ ہے، جو ان میں اخلاق میں سب سے اچھا ہو، اور اپنی بیوی کے ساتھ سب سے نرم ہو۔

قوّام کا مطلب کیا ہے

قرآن کی سورہ النساء کی آیت میں آیا ہے کہ مرد عورتوں کے اوپر قوام ہے: الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ (4:34)۔ یعنی مرد عورتوں کے اوپر قوّام ہیں۔ قوّام کے معنیٰ عربی زبان میں نگراں اور منتظم کے ہیں۔ "مرد قوام ہیں" کا مطلب یہ نہیں کہ مرد افضل مخلوق ہے، اور اس کے مقابلے میں عورت غیر افضل مخلوق۔ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ خاندانی معاملات کے انتظام یا بندوبست کے لیے خالق نے یہ فطری اصول مقرر کیا ہے کہ گھر کے داخلی مجموعہ میں مرد منتظم کی ذمہ داری کو سنبھالے تاکہ خاندان کا نظام اسی طرح درست طور پر چل سکے جس طرح بقیہ کائنات کا نظام اسی اصولِ تنظیم کو اختیار کرکے درست طور پر چل رہا ہے۔ آج کے الفاظ میں قوّام کا مطلب بیان کیا جائے تو وہ لفظ باس (boss) ہے۔ ہر ادارہ اور ہر دفتر کو منظّم طور پر چلانے کے لیے ایک باس ہوتا ہے۔ کارکن خواتین اپنے دفتروں میں باس کو پوری طرح تسلیم کرتی ہیں۔ اسلام نے گھر کے لیے مرد کو باس کی حیثیت دی ہے:

Bossism is a universal principle, and the home is no exception.

یہ انتظامی امور کا معاملہ ہے۔ اس اعتبار سے یہ ذمہ داری کی بات ہے، نہ کہ افضلیت کا معاملہ۔ یعنی گھریلو امور میں مرد پر زیادہ ذمہ داری ہے۔ ہر معاملے کی طرح اس معاملے میں بھی استثنا ہے۔ کوئی عورت اگر اپنے گھر میں مرد سے زیادہ سمجھدار ہو، تو وہ بھی اپنے گھر میں قوام کی ذمہ داری نبھا سکتی ہے۔

فہمِ قرآن کی کلید

قرآن کو سمجھنے کا اصول کیا ہے؟ اس کا ایک واضح اصول ہونا چاہیے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ یہ اصول خود قرآن سے براہ راست طور پر بذریعہ نص (text) سے معلوم ہونا چاہیے، نہ کہ کسی قیاسی یا استنباطی نکتہ سے۔ یعنی یہ اصول ایسا ہونا چاہیے، جو قرآن میں نص صریح کی زبان میں موجود ہو۔ اس سے کم درجے کا کوئی استدلال اس معاملے میں قابلِ قبول نہیں۔ اس سلسلے میں دو کھلی کھلی آیتیں موجود ہیں، جو یہ بتاتی ہیں کہ قرآن کو سمجھنے کا اصول کیا ہونا چاہیے۔ اور کس اصول کی روشنی میں ہم کو قرآن کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ قرآن کے مطابق، وہی اصول فہمِ قرآن کے لیے کلیدی اصول ہو سکتے ہیں، جو سب سے پہلے قرآن سے براہ راست معلوم ہوں۔

کچھ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ نظم قرآن فہمِ قرآن کی کلید ہے۔ لیکن اس کے لیے براہ راست کوئی دلیل موجود نہیں۔ یہ بات کہ 'نظم قرآن کا اصول فہمِ قرآن کی کلید ہے' زیادہ سے زیادہ ایک نکتہ ہے، وہ ہرگز فہم قرآن کی کلید نہیں۔ قرآن کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کو سمجھنے کے لیے بنیادی اصول تدبر ہے۔ اس آیت کے الفاظ یہ ہیں: كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ (38:29)۔ یعنی یہ ایک بابرکت کتاب ہے جو ہم نے تمہاری طرف اتاری ہے، تاکہ لوگ اس کی آیتوں پر غور کریں اور تاکہ عقل والے اس سے نصیحت حاصل کریں۔ قرآن میں تدبر کا مطلب کیا ہے۔ اس کا مطلب ہے قرآن کے ثابت شدہ دلائل کی روشنی میں قرآن پر غور کرنا۔

اسی طرح قرآن کے مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کو سمجھنے کے لیے دوسرا بنیادی اصول تقویٰ ہے، یعنی اللہ کی پکڑ کا خوف۔ جیسا کہ قرآن میں آیا ہے: وَاتَّقُوا اللَّهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللَّهُ (2:282)۔ یعنی اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، اللہ تم کو سکھائے گا۔

اگر قرآن کا مطالعہ کرنے کے لیے تدبر اور تقویٰ کا طریقہ اختیار کیا جائے تو قرآن اپنے قاری کے اندر فرقان کی صفت پیدا کرتا ہے۔ وہ قاری کو اِس قابل بناتا ہے کہ وہ کسی چیز کے دو پہلوؤں کے درمیان فرق کر سکے۔ دوسرے الفاظ میں، کسی انسان کے لیے قرآن کے گہرے فہم کا حصول صرف تقویٰ پلس تدبر کے ذریعے ممکن ہے۔

فریڈم اور سرینڈر کے درمیان

قرآن کی ایک آیت ان الفاظ میں آئی ہے: وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولَئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ (7:179)۔ یعنی اور ہم نے جنات اور انسان میں سے بہتوں کو دوزخ کے لیے پیدا کیا ہے۔ ان کے دل ہیں جن سے وہ سمجھتے نہیں، ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے نہیں، ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے نہیں۔ وہ ایسے ہیں جیسے چوپائے، بلکہ ان سے بھی زیادہ بے راہ۔ یہی لوگ ہیں غافل۔

اس آیت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے انسان کو ایک مخصوص مخلوق کے طور پر پیدا کیا۔ انسان ایک ایسی مخلوق ہے، جس کا کمال یہ ہے کہ وہ ٹوٹل فریڈم کے باوجود ٹوٹل سرینڈر کا ثبوت دے۔ جو آزادی کے باوجود اپنی آزادی پر مکمل کنٹرول کرتے ہوئے اس کا استعمال کرے۔ یہی وہ لوگ ہیں، جو کامیاب ہوئے، اور ان کو جنت میں داخلہ ملے گا۔ وہ جنت کے وارث ہوں گے۔ اس کے برعکس، جن لوگوں نے اپنی آزادی کا مس یوز (misuse) کیا، وہ امتحان میں فیل ہوئے۔ ان کے لیے آخرت کی معیاری دنیا میں کوئی حصہ نہیں۔

یہ وہ لوگ ہیں، جن کے لیے اللہ نے ہدایت کا راستہ کھولا، مگر وہ درج ذیل آیت کا مصداق بن گئے: الَّذِي آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَأَتْبَعَهُ الشَّيْطَانُ فَكَانَ مِنَ الْغَاوِينَ ۔ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلَكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ إِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ أَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ذَلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا (7:175-76)۔ یعنی، جس کو ہم نے اپنی آیتیں دی تھیں تو وہ ان سے نکل بھاگا۔ پس شیطان اس کے پیچھے لگ گیا اور وہ گمراہوں میں سے ہو گیا۔ اور اگر ہم چاہتے تو اس کو ان آیتوں کے ذریعہ سے بلندی عطا کرتے مگر وہ تو زمین کا ہو رہا اور اپنی خواہشوں کی پیروی کرنے لگا۔ پس اس کی مثال کلب کی سی ہے کہ اگر تو اس پر بوجھ لادے تب بھی ہانپے اور اگر چھوڑ دے تب بھی ہانپے۔ یہ مثال ان لوگوں کی ہے جنھوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا۔

غصہ نہیں

ایک روایت مختلف کتابوں میں آئی ہے۔ مسند احمد کے الفاظ یہ ہیں: عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: قَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، أَوْصِنِي؟ قَالَ: لَا تَغْضَبْ، قَالَ: قَالَ الرَّجُلُ: فَفَكَّرْتُ حِينَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا قَالَ، فَإِذَا الْغَضَبُ يَجْمَعُ الشَّرَّ كُلَّه (مسند احمد، حدیث نمبر 23171)۔ یعنی ایک صحابیِ رسول روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے کہا: اے اللہ کے رسول، مجھے وصیت کیجیے۔ آپ نے کہا: غصہ مت کرو۔ اس آدمی نے کہا: میں نے غور کیا، تو معلوم ہوا کہ غصہ تمام برائیوں کی جڑ ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ غصہ برائیوں کی جڑ کیوں ہے۔ اصل یہ ہے کہ غصہ جب کسی کے اوپر آتا ہے تو وہ مکمل طور پر منفی ذہن کا آدمی بن جاتا ہے۔ وہ منفی سوچ میں مبتلا ہوجاتا ہے، اور منفی سوچ بلاشبہ تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ غصہ وقتی طور پر آدمی کے اندر سے صحیح اور غلط کے درمیان فرق کی صلاحیت کو بے اثر کر دیتا ہے۔ اس وقت مثبت جذبات دب جاتے ہیں اور منفی جذبات ابھر آتے ہیں۔ غصہ آدمی کے اندر انتقام کے جذبات بھڑکا دیتا ہے۔ دونوں فریق کے اندر ایک دوسرے کے خلاف مخالفانہ جذبات ابھر آتے ہیں۔

جب آدمی مخالفانہ جذبے کے ساتھ فریقِ ثانی کے خلاف کوئی کارروائی کرنے پر اتر آتا ہے تو اس کے بعد ایک اور برائی پیدا ہوتی ہے، اور وہ ہے چین ری ایکشن (chain reaction)۔ چین ری ایکشن ایسی چیز ہے، جب وہ پیدا ہوجائے تو پھر وہ کبھی ختم نہیں ہوتی۔

اس چین ری ایکشن کا نتیجہ ہوتا ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے خلاف کارروائی شروع کر دیتے ہیں۔ ایک کارروائی کے بعد دوسری کارروائی، پھر تیسری۔ اس طرح ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے۔ یہ چین ری ایکشن بلاشبہ دونوں کی تباہی کا سبب بن جاتا ہے۔ غصہ ابتدا میں تو غصہ ہے۔ لیکن اپنے انتہا پر پہنچ کر غصہ تمام برائیوں کا سبب بن جاتا ہے۔

حکیمانہ کلام

موجودہ زمانے میں ایک رواجی اندازِ کلام ہے، جس کو ماحول کے اثر سے سب لوگ بولتے ہیں۔ یعنی صحافت کی زبان، ہیومن رائٹس کی زبان، پروٹسٹ کی زبان، وغیرہ۔ آج کل مذہبی اور غیر مذہبی دونوں قسم کے افراد یہی بولی بولتے ہیں۔ یہ بولیاں موجودہ ماحول میں چلی ہوئی بولیاں ہیں۔ ان کو بولنے کے لیے کسی مزید تیاری کی ضرورت نہیں۔ ماحول کے زیرِ اثر لوگ اپنے آپ یہ بولی سیکھ لیتے ہیں، اور اس کو دہراتے رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مذہبی اور غیر مذہبی سب اسی پیٹرن کو اختیار کیے ہوئے ہیں۔ اس پیٹرن کو ایک لفظ میں احتجاجی انداز کہہ سکتے ہیں۔

اس کے برعکس، دوسری بولی وہ ہے، جو بااصول انسان کی بولی ہو۔ اس قسم کی بولی بولنے کے لیے ضرورت ہوتی ہے کہ اس کے لیے باقاعدہ طور پر بطور موضوع (subject) تیاری کی جائے۔ اس کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لیا جائے۔ چوں کہ لوگ بولنے سے پہلے اس کے لیے ضروری تیاری کے عادی نہیں ہیں، اس لیے یہ بولی ان کے درمیان رائج نہ ہوسکی۔ بااصول بولی وہ ہے، جب بولنے والا انسان پہلے خوب اچھی طرح سوچے، وہ اس کے لیے ضروری مواد (data) اکٹھا کرے۔ وہ یہ سوچے کہ اس کو اپنے ہر لفظ کا اللہ رب العالمین کے یہاں حساب دینا ہے۔ بولنے سے پہلے اپنی بات کو عقل کے اصول پر جانچے کہ وہ جو کچھ بول رہا ہے، وہ واقعۃً حکیمانہ کلام کے معیار پر اترتا ہے یا نہیں۔ اس کا کلام آخرت رخی کلام ہو، نہ کہ دنیا رخی کلام۔

یہی وہ اندازِ کلام ہے جس کے بارے میں قرآن میں آیا ہے: لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِنْ نَجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا (4:114)۔ یعنی ان کی اکثر سرگوشیوں میں کوئی بھلائی نہیں۔ بھلائی والی سرگوشی صرف اس کی ہے جو صدقہ کرنے کو کہے یا کسی نیک کام کے لیے کہے یا لوگوں میں صلح کرانے کے لیے کہے۔ جو شخص اللہ کی خوشی کے لیے ایسا کرے تو ہم اس کو بڑا اجر عطا کریں گے۔ اس آیت میں نجوی کا معنی سرگوشی نہیں ہے، بلکہ لوگوں کے درمیان جو باتیں ہوتی ہیں، وہی باتیں ہیں۔

حوصلہ نہ ہارو

قرآن کی ایک تعلیم یہ ہے کہ آدمی ایمان پر قائم رہنے کی کوشش میں بے حوصلہ نہ ہو، وہ سخت حالات میں ہمت نہ ہارے (وَلَا تَهِنُوا 3:139)۔ یعنی ہمت نہ ہارو (do not lose heart)، ثابت قدمی دکھاؤ۔ قرآن کی یہ آیت مخصوص طور پر جہاد کے ذیل کی آیت نہیں ہے۔ بلکہ وہ باایمان زندگی کی جدوجہد کے بارے میں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ زندگی کی جدوجہد میں مومن پر جب وہ وقت آتا ہے، جب کہ ناموافق حالات کی بنا پر اس کے اندر بے حوصلگی آنے لگتی ہے۔ اس وقت مومن کو چاہیے کہ وہ اس کو فطرت کا جزء سمجھے، اور اپنے آپ کو مایوسی سے بچائے۔

ایسے موقع پر اپنے آپ کو پست ہمتی سے بچانا کیسے ہوتا ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ مومن پر جو حالات گزریں، وہ ہر حال میں اپنے آپ کو اس یقین پر قائم رکھے کہ جو کچھ ہو رہا ہے، وہ اللہ کی مرضی سے ہو رہا ہے۔ وہ یقین رکھے کہ اللہ حالات کو دیکھ رہا ہے۔ اور یہ کہ اللہ نے یہ سخت حالات دیے ہیں، وہی ان حالات سے مقابلے کی طاقت بھی دے گا، اور حالات کو بتدریج موافق کرے گا۔

بے حوصلگی کا معاملہ حالات کی طرف سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ حالات ہر زمانے اور ہر جگہ پیش آتے ہیں۔ اس سے کسی کو استثنا (exception) نہیں۔ حتی کہ پیغمبر کے لیے بھی نہیں۔ البتہ انسان کے اندر اگر فطری ضعف ہے تو ایسے موقع پر اس کے لیے اللہ کی خصوصی مدد آئے گی۔

اس سلسلے کی ایک رہنما حدیثِ رسول یہ ہے: الْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ، خَيْرٌ وَأَحَبُّ إِلَى اللَّهِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيفِ، وَفِي كُلٍّ خَيْرٌ احْرِصْ عَلَى مَا يَنْفَعُكَ، وَاسْتَعِنْ بِاللَّهِ وَلَا تَعْجَزْ، وَإِنْ أَصَابَكَ شَيْءٌ، فَلَا تَقُلْ لَوْ أَنِّي فَعَلْتُ كَانَ كَذَا وَكَذَا، وَلَكِنْ قُلْ قَدَرُ اللَّهِ وَمَا شَاءَ فَعَلَ، فَإِنَّ لَوْ تَفْتَحُ عَمَلَ الشَّيْطَانِ (صحیح مسلم، حدیث نمبر 2664)۔ یعنی طاقت ور مومن اللہ کے نزدیک کمزور مومن کے مقابلے میں بہتر اور زیادہ محبوب ہے، اور ہر ایک کے لیے خیر ہے۔ اُس چیز کی حرص کرو جو تمہیں نفع دے، اور اللہ سے مدد مانگو اور ہمت نہ ہارو۔ اگر تمہیں کوئی نقصان پہنچے تو یہ نہ کہو، 'اگر میں ایسا کرتا تو ایسا ہوتا۔' بلکہ یوں کہو، 'یہ اللہ کی تقدیر ہے اور جو اُس نے چاہا وہی ہوا۔ یقیناً "اگر اور مگر" شیطان کو کام کرنے کا موقع فراہم کرنا ہے۔'

آئیڈیالوجی کی طاقت

سیرت کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قریش سے کہا کہ ایک کلمہ یعنی لاالہ الا اللہ کا اقرار کرلو ساری دنیا تمہاری ہوجائے گی۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں: كَلِمَةٌ وَاحِدَةٌ تُعْطُونِيهَا تَمْلِكُونَ بِهَا الْعَرَبَ، وَتَدِينُ لَكُمْ بِهَا الْعَجَمُ. قَالَ: فَقَالَ أَبُو جَهْلٍ: نَعَمْ وَأَبِيكَ، وَعَشْرَ كَلِمَاتٍ، قَالَ: تَقُولُونَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَتَخْلَعُونَ مَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِهِ (سیرت ابن ہشام، جلد 1، صفحہ 417)۔ یعنی ایک کلمہ جو تم قبول کرو گے، اس کے ذریعے تم عرب پر غلبہ حاصل کرلو گے، اور عجم تمھارے آگے جھک جائیں گے۔ ابوجہل نے کہا: ضرور، تیرے باپ کی قسم، اور دس کلمے۔ آپ نے کہا: تم کہو: لاالہ الااللہ، اور اللہ کے سوا جس کی عبادت کرتے ہو، اس کو چھوڑ دو۔

ایک اور روایت کے الفاظ یہ ہیں: يَا أَيُّهَا النَّاسُ قُولُوا لا إِلَهَ إِلا اللَّهُ تُفْلِحُوا وَتَمْلِكُوا بِهَا الْعَرَبَ وَتَذِلَّ لَكُمُ الْعَجَمُ وَإِذَا آمَنْتُمْ كُنْتُمْ مُلُوكًا فِي الْجَنَّةِ (الطبقات الکبریٰ لابن سعد، جلد 1، صفحہ 168)۔ یعنی اے لوگو، لاالہ الااللہ کہو، تم کامیاب ہوجاؤ گے، اس کے ذریعے تم عرب پر غلبہ حاصل کرلو گے، اور عجم تمھارے آگے جھک جائیں گے، اور جب تم ایمان لاؤ گے تو تم جنت میں بادشاہ ہو گے۔

اسی طرح ایک حدیث میں مستقبل کی پیشین گوئی کے طور پر آیا ہے کہ اہل ایمان لاالہ الااللہ کہیں گے، اور قلعہ کا دروازہ ٹوٹ جائے گا (صحیح مسلم، حدیث نمبر 2920)۔

اس کا مطلب کیا ہے۔ اس کا مطلب سیاسی غلبہ نہیں ہے، بلکہ نظریاتی غلبہ ہے۔ اس کی مثال اسلام کی بعد کی تاریخ ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی کوششوں سے عرب میں ایک فکری انقلاب جاری ہوا۔ موجودہ زمانے میں جس چیز کو ماڈرن سویلائزیشن کہا جاتا ہے، وہ اسی انقلابی عمل کی تکمیل ہے۔ اسی فکری انقلاب کا نتیجہ ہے کہ اب اکیسویں صدی میں "کفر" اپنی نظریاتی طاقت کھو چکا ہے۔ اور مسلمانوں کے سیاسی ایمپائر کے خاتمہ کے باوجود آج اسلام پوری دنیا میں سب سے زیادہ تیزی سے پھیلنے والا مذہب بنا ہوا ہے، اور اس کی اطاعت کرنے والے دنیا میں ہر جگہ موجود ہیں۔

احساسِ گناہ

فقہا نے گناہ کو گناہ کبیرہ اور گناہ صغیرہ میں تقسیم کیا ہے۔ لیکن زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ گناہ کی نوعیت احساس گناہ کی نسبت سے مقرر ہوتی ہے۔ جتنی بے حسی اتنا ہی بڑا گناہ۔ اس حقیقت کو تین اصحابِ رسول انس بن مالک، ابوسعید الخدری، اور عبادہ بن القرط نے روایت کیا ہے: إِنَّكُمْ تَعْمَلُونَ أَعْمَالًا هِيَ أَدَقُّ فِي أَعْيُنِكُمْ مِنَ الشَّعْرِ، إِنْ كُنَّا لَنَعُدُّهَا عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمُوبِقَاتِ (مسند احمد، احادیث نمبر، 12604، 10995، 20751)۔ یعنی بے شک تم کچھ برے کام کرتے ہو جو تمہاری نظروں میں بال سے بھی زیادہ باریک ہیں، حالانکہ ہم نبی ﷺ کے زمانے میں ان کو ہلاکت میں ڈال دینے والے گناہوں میں شمار کرتے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ احساس کی نوعیت اصل چیز ہے، جو گناہ کو کبیرہ یا صغیرہ بناتی ہے۔ احساسِ خطا کی کمی یا زیادتی ایک گناہ کو گناہ صغیرہ یا گناہ کبیرہ بنا دیتی ہے۔ احساس کی شدت سے شعور کی گہرائی پیدا ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے اس کا تعلق معرفت سے ہے۔ جس درجے کی معرفت، اسی درجے کا احساسِ خطا۔ اِس روایت میں دراصل ایسے آدمی کی حالت بیان کی گئی ہے جس سے بشری تقاضے کے تحت کوئی غلطی سرزد ہو جائے، مگر اِس کے بعد وہ غفلت یا سرکشی کا طریقہ اختیار نہ کرے، بلکہ وہ شدید قسم کی توبہ وانابت کا ثبوت دے۔ وہ صبح وشام اللہ کی پکڑ سے ڈرتا رہے۔ یہی وہ انسان ہے جس کو قیامت میں اللہ کی خصوصی رحمت ومغفرت حاصل ہوگی۔

اس کے برعکس، کچھ لوگ وہ ہیں، جن کا ذکر صحابی رسول ابوایوب انصاری نے ان الفاظ میں کیا ہے: إِنَّ الرَّجُلَ لِيَعْمَلُ الْحَسَنَةَ، يَتَّكِلُ عَلَيْهَا، وَيَعْمَلُ الْمُحَقَّرَاتِ حَتَّى يَأْتِيَ اللّٰهَ وَقَدْ أَخْطَرَتْهُ، وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ السَّيِّئَةَ فَيَفْرَقُ مِنْهَا حَتَّى يَأْتِيَ اللّٰهَ آمِنًا (شعب الایمان للبیہقی، اثر نمبر 6880)۔ یعنی بیشک ایک آدمی نیک کام کرتا ہے، اور اس پر وہ پُراعتماد ہوتا ہے، مگر وہ چھوٹے چھوٹے گناہ کرتا رہتا ہے، چنانچہ وہ اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ گناہ اس کے لیے سنگین مسئلہ بن کر موجود ہوں گے۔ (اس کے برعکس) ایک اور آدمی ہے، جو گناہ تو کرتا ہے، مگر برابر وہ اس سے خائف

رہتا ہے، یہاں تک کہ وہ اللہ سے مامون ہو کر ملے گا۔

بھوپال کے ایک بزرگ تھے شاہ یعقوب مجددی (وفات 1970)۔ ان کی مجلس میں ایک صاحب آیا کرتے تھے، جو داڑھی نہیں رکھتے تھے۔ شاہ صاحب ان کو بار بار تاکید کرتے رہتے تھے۔ ایک دن اس شخص نے کہا کہ حضرت اگر میں داڑھی نہیں رکھتا تو کیا ہوا، داڑھی اسلام میں فرض تو نہیں، صرف سنت ہی تو ہے۔ یہ سن کر شاہ یعقوب صاحب نے کہا کہ داڑھی بلاشبہ سنت ہے، لیکن تمہارا لہجہ کفر ہے۔

ان کی بات کا مطلب یہ ہے کہ بے عملی گناہ ہے۔ مگر سرکشی اس سے بھی زیادہ بڑا گناہ ہے۔ بے عملی کے ساتھ اگر شرمندگی ہو تو شاید اللہ تعالی ایسے شخص کو معاف کر دے۔ مگر جو شخص بے عملی کے ساتھ سرکشی دکھا رہا ہو وہ قابلِ معافی نہیں۔ اس مثال سے اندازہ ہوتا ہے کہ کسی معاملے میں اصل اہمیت شدت احساس کی ہے، نہ کہ ظاہری عمل کی۔

دعا کی حقیقت

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ دعا زبان سے کچھ متعین الفاظ کی تکرار کا نام ہے۔ یعنی کچھ پراسرار نوعیت کے مقرر الفاظ ہیں، ان کو اگر صحیح تلفظ کے ساتھ انسان دہرا لے تو ایسی دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔ مگر صحیح بات یہ ہے کہ دعا اسپرٹ کا نام ہے، جو دل کی گہرائیوں کے ساتھ بندے کی زبان سے نکلتی ہے۔

دعا کی حقیقت یہ ہے کہ یہ رب العالمین کے سامنے اپنے عجز کو رجسٹر کرنا ہے، نہ کہ رب کے سامنے چند رٹے ہوئے الفاظ لپ سروس کے طور پر دہرا کر اپنی حاجت کو مانگنا۔ جب ایک بندہ اپنی حالتِ احتیاج کو دریافت کرتا ہے، تو وہ اپنے عجز کو دریافت کرتا ہے۔ دعا یہ ہے کہ انسان کا داخلی احساس لفظوں میں ڈھل جائے۔ خدا کے مقابلے میں بے بسی کی دریافت انسان کے لیے اس کے پورے وجود کی زبان بن جائے۔ دراصل یہی اسپرٹ ہے، جو کسی دعا کو مقبول دعا بناتی ہے۔ دعا کے الفاظ دعا کرنے والے انسان کی قلبی کیفیت کو بتاتے ہیں، وہ محض زبان سے کچھ کلمات کی ادائیگی کا مظاہرہ نہیں ہیں۔

ذنوب کی معافی

قرآن کی ایک آیت ان الفاظ میں آئی ہے: قُلْ يَاعِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللهِ إِنَّ اللهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ (39:53)۔ یعنی کہو کہ اے میرے بندو! جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ بیشک اللہ تمام گناہوں کو معاف کر دیتا ہے، وہ بخشنے والا، مہربان ہے۔

قرآن کی یہ آیت ایک انوکھی آیت ہے۔ اس آیت میں جمیع ذنوب (تمام گناہوں) کی معافی کا اعلان ہے۔ لیکن قرآن کے عام اسلوب کے برعکس، اس آیت میں یہ بات نہیں ہے کہ اگر تم نے اپنے گناہوں کی توبہ کی، اللہ سے مغفرت کے طالب بنے تو تمھارے لیے معافی ہے۔ یہ شرط جو عام طور پر قرآن کی آیتوں میں ہوتا ہے، وہ یہاں مذکور نہیں ہے۔ اس کے برعکس، یہاں بتایا گیا ہے کہ اگر تمھارے اندر اللہ کی رحمت پر کامل درجے میں یقین پایا جائے تو یہ چیز اپنے آپ تمھارے تمام گناہوں کی معافی کا سبب بن جائے گی۔ گویا اس آیت میں بندے کو اس بات کی ترغیب دی جارہی ہے کہ وہ اللہ کی رحمت پر کامل یقین رکھے، وہ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ اگر بندے کی طرف سے ایسا ہوا تو اس آیت میں بندے کے لیے یہ بشارت ہے کہ اس کے جمیع ذنوب اللہ کی رحمت سے معاف کر دیے جائیں گے، اور اس کو جنت میں داخلہ مل جائے گا۔

آیت کا اسلوب بتاتا ہے کہ معرفت اگر اعلیٰ درجے کی ہو اور اللہ کی رحمت پر جب کامل یقین پایا جائے تو یہ بات بذاتِ خود انسان کے لیے مغفرت کی سفارش بن جائے گی۔ انسان جب اپنے عجز اور اپنی عبدیت کو شعوری طور پر دریافت کرتا ہے تو اس سے وہ صفت پیدا ہوتی ہے جس کو قرآن میں خوف اور امید کہا گیا ہے (21:90)۔ ایمان کی یہ دونوں صفات دراصل معرفت کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہیں۔ معرفت جتنی اعلیٰ درجے کی ہوگی، اتنی ہی اعلیٰ درجے کی صفات آدمی کے اندر پیدا ہوں گی، وہ داخلی شعور کا ایک خارجی اظہار ہوتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے لیے قرآن کی اس آیت میں تمام گناہوں سے بلا شرط معافی کا اعلان ہے۔

زہد ایک عظیم عمل

صحابی کون ہے۔ صحابی وہ ہے، جس نے رسول اللہ کی صحبت سے استفادہ کیا، جس نے رسول اللہ سے براہ راست طور پر دینِ خداوندی کو اخذ کیا۔ انھیں میں سے ایک صحابی کا نام ابو واقد اللیثی (وفات 68ھ) ہے۔ ان کا ایک قول ان الفاظ میں آیا ہے: تَابَعْنَا الْأَعْمَالَ فِي الدُّنْيَا، فَلَمْ نَجِدْ شَيْئًا أَبْلَغَ فِي عَمَلِ الْآخِرَةِ مِنَ الزُّهْدِ فِي الدُّنْيَا (الزہد لوکیع بن الجراح، اثر نمبر 3)۔ یعنی ہم نے دنیا کے اعمال میں غور کیا، تو ہم نے آخرت کے لیے سب سے اچھا عمل زہد فی الدنیا کو پایا۔

زہد کا مطلب ہے دنیا سے بے رغبتی۔ اس سے مراد کسی انسان کی یہ صفت ہے کہ وہ اپنے مطالعہ اور غور وفکر کے ذریعے خدا اور آخرت میں اتنا زیادہ گم ہوجائے کہ اس کی دلچسپیاں تمام تر خدا اور آخرت سے وابستہ ہوجائیں۔ خدا اور آخرت سے اس کی رغبت اتنی زیادہ بڑھے کہ وہ ہر دوسری چیز سے بے رغبت ہوجائے۔

ایسا انسان ایک مختلف انسان بن جاتا ہے۔ بظاہر وہ دوسروں کی طرح اسی دنیا میں جیتا ہے، لیکن اپنی فکر کے اعتبار سے وہ آخرت کی مخلوق بن جاتا ہے۔ وہ سوچتا ہے تو اللہ رب العالمین کے لیے، وہ جیتا ہے تو اللہ رب العالمین کے لیے، اس کو کسی سے ملنے کا شوق ہوتا ہے تو وہ اللہ رب العالمین سے ملنے کا شوق، اس کو کسی چیز کی رغبت ہوتی ہے تو اللہ رب العالمین کی رحمت کو پانے کی رغبت ہوتی ہے، اس کا وہ حال ہوجاتا ہے جس کے لیے قرآن میں یہ الفاظ آئے ہیں: الَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ (2:165)۔ یعنی اللہ رب العالمین کے ساتھ حب شدید کا ہونا۔

زہد اعلیٰ ایمان کی صفت ہے۔ زہد اللہ سے قربت کی پہچان ہے۔ زہد جنتی انسان کا اخلاق ہے۔ زاہد انسان قرآن کا مطلوب انسان ہے۔ زاہد انسان وہ ہے، جس کو آخرت میں وہ درجہ ملے گا، جس کو قرآن میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے: فَأُولَئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَئِكَ رَفِيقًا (4:69)۔

تواضع کی صفت

ایک روایت کے مطابق، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے مجھے یہ پیشکش کی کہ تمہارے لیے مکہ کی وادی کو سونا بنا دیا جائے۔ میں نے کہا کہ اے میرے رب، نہیں، بلکہ میں چاہتا ہوں کہ میں ایک دن سیر ہو کر کھاؤں اور ایک دن بھوکا رہوں (وَلَكِنْ أَشْبَعُ يَوْمًا، وَأَجُوعُ يَوْمًا)۔ پھر جب مجھے بھوک لگے تو میں تجھ سے تضرع کروں اور تجھ کو یاد کروں اور جب مجھے سیری حاصل ہو تو میں تیری حمد کروں اور تیرا شکر ادا کروں۔ (مسند احمد، حدیث نمبر 22190)

انسانی زندگی پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ آدمی کے پاس جو کچھ بھی ہے، وہ اس کے پاس بطور عطیہ ہے۔ یعنی خدا نے دنیا کی تمام چیزیں اس کو یک طرفہ طور پر عطا کی ہیں۔ اگر انسان ایسا سوچے تو اس سے آدمی کے اندر تواضع (modesty) کی نفسیات پیدا ہوگی۔ وہ ڈرے گا کہ جس خدا نے دیا ہے وہ اس کو دوبارہ اس سے چھین نہ لے۔ مگر غافل لوگ اس عطیہ کو اپنا ذاتی حق سمجھ لیتے ہیں۔ ان کا یہی احساس ان کو ظالم اور متکبر بنا دیتا ہے۔

انسان کو جو کچھ بھی ملا ہوا ہے، وہ اس کے لیے اللہ کا عطیہ ہے۔ اس کا احساس عام طور پر انسان کو اس وقت ہوتا ہے، جب کہ اس سے وہ چیز چھن جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان ایک ایسی زمین پر ہے جس کو وہ پھاڑ نہیں سکتا، وہ ایک ایسی کائنات میں ہے جہاں ستارے اور سیارے اس کی ہر برتری کی نفی کر رہے ہیں۔ یہ خدا کے مقابلے میں انسان کی حیثیت کا ایک تمثیلی اعلان ہے۔ اس کا تقاضا ہے کہ آدمی دنیا میں متکبر بن کر نہ رہے۔ وہ عجز اور تواضع کا طریقہ اختیار کرے، نہ کہ اکڑ اور سرکشی کا۔ اس دنیا میں انسان کو متواضع بن کر رہنا چاہیے تاکہ وہ ان تجربات سے سبق حاصل کرنے والا بنے۔

محرومی کا احساس اس دنیا کے اندر تواضع کی صفت پیدا کرنے کا ذریعہ ہے، اور تواضع انسان کے اندر اعلیٰ انسانی کردار پیدا کرتا ہے۔ جو آدمی پوری اسپرٹ کے ساتھ تواضع کا طریقہ اختیار کرے، اس کے اندر یہ عمومی مزاج پیدا ہو جائے گا کہ وہ ناخوش گوار باتوں کو برداشت کرے، وہ لوگوں کی قابل شکایت باتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے زندگی گزارے گا، وہ متواضع انسان، یعنی مین کٹ ٹو سائز (man cut to size) بن جائے گا۔

دوسرا قرآن

ایک مسلمان نے اپنے ایک غیر مسلم دوست کو قرآن کا ترجمہ پڑھنے کے لیے دیا۔ غیر مسلم نے بڑے شوق اور احترام کے ساتھ قرآن کو لیا اور اس کو شروع سے آخر تک پڑھ ڈالا۔ اگلی ملاقات میں اس نے قرآن کا مذکورہ نسخہ واپس کرتے ہوئے کہا: ”اب دوسرا قرآن دیجیے۔“

مسلمان نے سمجھا کہ وہ قرآن کا دوسرا نسخہ مانگ رہے ہیں۔ چنانچہ وہ دوسرا نسخہ لائے اور اس مذکورہ غیر مسلم کے ہاتھ میں رکھ دیا۔ غیر مسلم نے اس کو لے کر کچھ دیر الٹ پلٹ کر دیکھا۔ پھر کہا ”یہ تو وہی قرآن ہے۔ میرا مطلب یہ تھا کہ اب وہ قرآن دیجیے جس پر آپ لوگ عمل کرتے ہیں۔“

غیر مسلم نے قرآن میں جو اسلام پڑھا وہ اس سے مختلف تھا جو اس نے مسلمانوں کی اپنی زندگی میں دیکھا تھا۔ غیر مسلم نے سمجھا کہ مسلمانوں کے یہاں شاید دو قرآن ہے۔ ایک وہ جس کو اس نے ابھی پڑھا ہے، دوسرا وہ جو ابھی اس کو پڑھنے کو نہیں ملا۔

بظاہر یہ ایک لطیفہ معلوم ہوتا ہے۔ مگر امر واقعہ یہی ہے کہ مسلمانوں کا دو قرآن ہے۔ ایک وہ جو خدا کی طرف سے اس کے رسول پر چودہ سو سال پہلے بذریعہ وحی اترا تھا۔ دوسرا وہ جو انھوں نے خود لکھ رکھا ہے۔ اس دوسرے قرآن کا نام قرآن نہیں۔ اس کا نام قرآن کی تشریح وتعبیر ہے۔ مسلمانوں نے اپنی تشریح وتعبیر سے قرآن کے متوازی ایک اور قرآن لکھ رکھا ہے۔ اس دوسرے قرآن میں وہ سب کچھ ہے جس پر آج کے مسلمان عمل کر رہے ہیں۔

قرآن میں اسلام اطاعت کا نام ہے مگر مسلمانوں کی اپنی تشریح میں اسلام فخر کی چیز بن گیا ہے۔ قرآن کے مطابق نجات کا دارومدار عمل پر ہے مگر مسلمانوں کی تشریح کے مطابق نجات کے لیے یہ کافی ہے کہ آدمی اپنے کو مسلمان کہتا ہو۔ قرآن کا اسلام یہ ہے کہ آدمی اپنا احتساب کرے مگر مسلمانوں کی تشریح کے خانہ میں اسلام اس کا نام ہو گیا ہے کہ آدمی احتسابِ عالم کا جھنڈا اٹھائے ہوئے ہو۔ قرآن کا اسلام سارے عالم کا اسلام ہے۔ مگر مسلمانوں کے ذہنی خانہ میں وہ ایک قومی چیز بن کر رہ گیا ہے۔

ایک خط

مولانا، آپ کی تقریر (5 جولائی 2020) کو سن کر جو تاثر ذہن میں آیا، وہ لکھ رہا ہوں۔ اس تقریر کا عنوان تھا: مارکس اور مودودی کا تقابل۔ اس تقریر پر میرا تاثر درج ذیل ہے:

میرے لیے یہ ایک نئی بات ہے کہ کارل مارکس نے اخلاقیات کو حکومت کا موضوع بنا دیا، جب کہ اخلاقیات انسان کی اپنی ذات کا موضوع ہے۔ یہ کارل مارکس کی غلطی تھی۔ یہی غلطی مولانا مودودی صاحب نے قرآن کی آیت أَقِيمُوا الدِّينَ (42:13) کی تشریح میں کی۔ انھوں نے أَقِيمُوا الدِّينَ (دین کو قائم رکھو) کو حکومت کا موضوع بنا دیا۔ جب کہ وہ انسان کی اپنی ذات کا موضوع تھا۔ دونوں کی غلطی میں بالکل درست اشتراک ہے۔

مودودی صاحب کی غلطی نے أَقِيمُوا الدِّينَ کو حکومت کا موضوع بنا دیا تو اس کے بعد یہ ہوا کہ معاشرے میں اگر کچھ برائیاں اور کمیاں دکھائی دینے لگیں تو ذہن فوراً اس طرف گیا کہ اس کی وجہ اسلامی حکومت کا نہ ہونا ہے۔ اگر اسلامی حکومت ہوتی تو وہ مسلمانوں کو اسلامی احکامات کی پیروی کرنے پر مجبور کرتی۔ اس کے برعکس، اگر ہم أَقِيمُوا الدِّينَ کو انسان کی اپنی ذات کا موضوع بنائیں گے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ معاشرے میں جب کبھی برائیاں دیکھیں گے تو ذہن اس طرف جائے گا کہ ان برائیوں اور وجہ صحیح ذہن سازی کا نہ ہونا ہے، یا صحیح تربیت کی۔ اب ذہن سازی کے لیے فوری طور پر اسٹارٹنگ پوائنٹ مل جاتا ہے۔

صحیح ذہن سازی کے لیے کسی حکومت کی ضرورت نہیں، ذہن سازی کے لیے صالح انسان کی ضرورت ہوتی ہے۔ یعنی افراد کی تربیت کے لیے اسلامی حکومت کا نہ ہونا کوئی رکاوٹ نہیں۔ لیکن مولانا مودودی صاحب کی نظر سے دیکھیں گے تو اسلامی حکومت کا قائم نہ ہونا برائی کی فوری وجہ بن کر سامنے آئے گا۔ اب پہلا کام یہ ہوگا کہ حکومت حاصل کرو، اور اسے اسلامی حکومت بناؤ۔ پھر یہیں سے موجودہ حکومت کے خلاف ذہنی طور پر بغاوت شروع ہوجاتی ہے، جو بعد کے مرحلے میں عملی

بغاوت تک پہنچ جاتی ہے، یہاں تک کہ معاشرہ جنگ وجدال میں تبدیل ہوجاتا ہے۔ جیسا کہ فی الواقع آج مسلم ممالک میں الربیع العربی (Arab Spring) کے نام سے ہورہا ہے۔ جیسے سیریا، یمن، لیبیا اور مصر، وغیرہ۔ (مولانا عبدالباسط عمری، گلبرگہ، مورخہ 6 جولائی 2020)

جواب

برادرم مولانا عبدالباسط عمری، السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ سے ٹیلیفون پر ہوئی گفتگو کے پس منظر میں آپ کا خط میرے لیے ایک چشم کشا خط ہے۔ اس خط کو پڑھنے کے بعد میرے دل میں آپ کے بارے میں جو احساس پیدا ہوا، وہ یہ ہے کہ موجودہ حالات میں آپ کی یہ تحریر انقلابی تحریر ثابت ہوسکتی ہے۔ بشرطیکہ آپ دو مزید چیزوں کا ثبوت دے سکیں — آپ اپنی زندگی میں ایک انقلاب پیدا کریں، جو دو صفتوں کا حامل ہو: کامل سادگی، اور مکمل معنوں میں قناعت۔

مکمل سادگی کسی انسان کے لیے کامل عزم اور بامقصد زندگی کی علامت ہے۔ اور قناعت اس بات کی علامت کہ وہ انسان حقیقت پسندانہ سوچ کا مالک ہے۔

15 جولائی 2020 وحیدالدین، نئی دہلی

ختم نبوت

قرآن کے مطابق، خدا نے آپ کو نبیوں کے خاتم (33:40) کی حیثیت سے مبعوث فرمایا ہے۔ دوسرے انبیا صرف اللہ کے رسول تھے، اور آپ اللہ کے رسول ہونے کے ساتھ خاتم النبیین بھی ہیں۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا ایک پہلو یہ ہے — براہِ راست پیغمبر کی ذات کے ذریعے دعوت کے دور کا خاتمہ، اور پیغمبر کے ماننے والوں کے ذریعے دعوتی عمل کا آغاز۔

دین کی سیاسی تعبیر

بیسویں صدی میں مسلمان نئے حالات سے دو چار ہوئے۔ ان کا ایمپائر، مثلاً مغل ایمپائر اور عثمانی ایمپائر ٹوٹ گیا۔ مسلمانوں کے اوپر ہر اعتبار سے مغربی قوموں کا غلبہ قائم ہو گیا۔ مغربی قومیں نئی طاقت کے ساتھ ابھریں، اور عملاً سارے عالم پر چھا گئیں، جن میں مسلم قومیں بھی شامل تھیں۔

یہ صورتِ حال مسلمانوں کے لیے ایک سیاسی چیلنج بنی ہوئی تھی۔ اس کے نتیجے میں مسلمانوں کے اندر سیاسی ردعمل کا ذہن پیدا ہوا۔ اسی زمانے میں کارل مارکس کا نظریۂ تاریخ بڑے پیمانے پر پھیلا۔ کارل مارکس نے جو نظریۂ تاریخ پیش کیا، اس کا خاص پہلو یہ تھا کہ اس نے تاریخ کی ایک مادی تعبیر پیش کی، جس کو مادی تعبیرِ تاریخ (material interpretation of history) کہا جاتا ہے۔ 1917 میں جب کارل مارکس کے پیروؤں (کمیونسٹ پارٹی) کو روس میں حکومت قائم کرنے کا موقع ملا تو اس کے بعد مارکسی فلسفہ ساری دنیا میں لوگوں کی توجہ کا مرکز بن گیا۔

ان حالات کے زیرِ اثر مسلم دنیا میں ایک ظاہرہ پیدا ہوا۔ یہ ظاہرہ زیادہ تر زمانی حالات سے تاثر پذیری کا نتیجہ تھا۔ اس کے نتیجے میں یہ ہوا کہ کچھ مسلم مفکرین نے اسلام کو وقت کے معیار کے مطابق ثابت کرنے کے لیے اسلام کی سیاسی تعبیر (political interpretation of Islam) پیش کرنا شروع کیا۔

یہ وہی ظاہرہ ہے جس کو حدیث میں اتباعِ یہود (صحیح البخاری، حدیث نمبر 3456) کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ اس حدیث میں یہود کا اتباع سے مراد، زوال یافتہ امت کا اتباع ہے۔ دورِ زوال میں یہود کے علما نے اپنی تشریحات کو عملاً موسوی شریعت کی حیثیت دے دی۔ یعنی انھوں نے علما کی آراء پر مشتمل مجموعۂ احکام تیار کیا، اور دینِ موسیٰ کی جگہ ان مجموعۂ احکام کو دین کا لیبل لگا کر حقیقی خدائی دین کی مانند ان کا چرچا کرنے لگے۔ چنانچہ بعد کے زمانے میں یہودیت کا جو ورزن (version) تیار ہوا وہ تمام تر قوانین (laws) پر مبنی تھا۔ یہودیت کے اس ورزن میں معرفت اور دعوت جیسی چیزیں تمام تر حذف ہو گئیں۔ یہی واقعہ امت مسلمہ کے درمیان پیش آیا۔ اسی کا

یہ نتیجہ ہے کہ موجودہ زمانے کے علما اور رہنما کے یہاں جس دین کا چرچا ہے، اس میں معرفت اور دعوت جیسی اصل تعلیمات حذف ہوگئی ہیں، اس کے بجائے سارا زور ظاہری قوانین اور احکام پر دیا جارہا ہے، جس کو بطور خود وہ اسلامی نظام کا نام دیتے ہیں۔ اسلام کو سیاسی اور سماجی نظام کے طور پر پیش کرنا، ان کا واحد نشانہ بن گیا ہے، اور معرفت اور دعوت جیسی چیزیں ان کے یہاں بھی اسی طرح حذف ہوگئی ہیں، جس طرح وہ اس سے پہلے یہود کے یہاں حذف ہوگئی تھیں۔

اس انحراف کو مبنی بر نظام اسلام (system-based Islam) کہا جاسکتا ہے۔ اس تصور دین کا نتیجہ ہے کہ امت میں ایک ابدی قسم کے ٹکراؤ کا ماحول پیدا ہوگیا ہے۔ یہ ٹکراؤ ابتدائی طور پر دوسروں کو اپنا حریف (rival) سمجھنے کی صورت میں شروع ہوتا ہے، اور پھر بڑھ کر تشدد اور جنگ اور خودکش بمباری تک پہنچ جاتا ہے۔

قرآن کو اگر کتابِ معرفت کے طور پر لیا جائے تو اس کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ قرآن کی آیتوں میں تدبر کرو، قرآن کے ذریعے خالق کی معرفت حاصل کرو، اور پھر خالق کی معرفت میں جینے والے بن جاؤ، یعنی وہ انسان جس کو قرآن میں ربانی انسان (3:79) کہا گیا ہے۔ گویا قرآن اپنی اصل حیثیت کے اعتبار سے ہدایت خداوندی کی پیروی (following) کا نام ہے۔ مگر قرآن کی نظامی یا قانونی تعبیر کا نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن عملی نفاذ (implementation) کی کتاب بن گیا۔ اب امت کا نشانہ یہ قرار پایا کہ وہ موجودہ قانونی اور سیاسی نظام کو لڑ کر بدلے، اور اس کی جگہ وہ قانونی اور سیاسی نظام نافذ کرے جس کو بطور خود اس نے اسلامی نظام کا درجہ دے دیا ہے۔

بڑھاپے کا دور

بڑھاپے کا دور کسی انسان کے لیے اس کی زندگی کا سب سے آخری دور ہے۔ یہ دور اس بات کا احساس دلانے کے لیے ہے کہ تکلیف انسان کے لیے کتنی زیادہ ناقابلِ برداشت ہے۔

عالمی اسلامی اتحاد

کوئی شخص عالمی انسانی اتحاد کی بات کرے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ "انسانیت" کے نام پر ایک مرکزی حکومت قائم کی جائے اور ساری دنیا کے انسانوں کو طاقت کے زور پر اس کا تابع بنایا جائے۔ عالمی انسانی اتحاد انسانی قدروں کی بنیاد پر مطلوب ہے، نہ کہ سیاسی اقتدار کی بنیاد پر۔

یہی معاملہ اسلام کا ہے۔ اسلام میں بلاشبہ یہ مطلوب ہے کہ تمام دنیا کے مسلمانوں میں اتحاد ہو۔ حج کا عالمی اجتماع اسی کی ایک علامت ہے۔ مگر عالمی اسلامی اتحاد کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مسلمانوں کی ایک مرکزی حکومت قائم ہو، اور تمام دنیا کے مسلمان اس حکومت (یا خلافت) کے تحت سیاسی طور پر متحد ہو جائیں۔ عالمی اسلامی اتحاد بلاشبہ ایک مطلوب چیز ہے۔ مگر عالمی اسلامی حکومت یا عالمی اسلامی خلافت محض ایک نعرہ ہے جو نہ ممکن ہے اور نہ مطلوب۔

اسلام میں اصل اہمیت کی چیز خدا کی سچی معرفت ہے اور یہ کہ آدمی خدا کی مرضی کے مطابق دنیا میں جیے۔ ہر ایک خدا کے رنگ میں رنگا ہوا ہو۔ ہر انسان اپنی پسند اور ناپسند کو خدا کی پسند اور ناپسند کے تابع بنالے۔ اسلامی اتحاد یہ ہے کہ تمام دنیا کے مسلمان ایک خدا کو اپنا الٰہ سمجھیں۔ وہ محمد رسول اللہ کو پیغمبر اور خاتم النبیین مانتے ہوں۔ سب یکساں طور پر قرآن کے اوپر ایمان رکھتے ہوں۔ سب کے دلوں میں یہ یقین زندہ ہو کہ موجودہ دنیا آزمائش کی جگہ ہے، اور آخرت کی اگلی دنیا اپنے عمل کا انجام پانے کی جگہ۔

اسی طرح ساری دنیا کے مسلمانوں میں وہی اخلاق و کردار ہو جو قرآن وسنت میں بتایا گیا ہے۔ حتی کہ ایک شخص جب کسی مسلمان سے ملے تو وہ پیشگی طور پر یقین کر سکے کہ وہ اپنی عادت اور اپنے سلوک اور اپنے کردار کے اعتبار سے فلاں قسم کا انسان ہوگا۔

عالمی اسلامی اتحاد کی بنیاد فکری اور ایمانی یکسانیت ہے، نہ کہ عالمی نوعیت کا کوئی سیاسی اور حکومتی ڈھانچہ۔ اسلامی اتحاد اسلامی افراد کے آزادانہ فیصلے سے قائم ہوتا ہے۔ وہ سیاسی اقتدار کے زور پر نہ نافذ ہو سکتا اور نہ نافذ کیا جا سکتا۔

زوالِ امت

امت کا زوال کیا ہے، حدیثوں میں پیشگی طور پر اس کے بارے میں بتا دیا گیا ہے۔ ان احادیث کو عام طور پر احادیث فتن کہا جاتا ہے۔ احادیث فتن دراصل احادیث برائے زوال امت ہی کا دوسرا نام ہے۔ دور فتنہ سے مراد امت کا دور زوال ہے۔ یہ زوال فطرت کے قانون کے تحت آتا ہے، اور کسی امت کا اس معاملے میں استثنا نہیں۔

امتِ موسیٰ کو امت افضل کہا گیا تھا۔ مگر ان پر زوال آیا۔ اسی طرح امت محمد کو خیر امت کہا گیا، لیکن فطرت کے قانون کے مطابق، خیر امت پر بھی زوال کا دور آنا یقینی ہے۔ امت پر دورِ زوال آنے کا مطلب کیا ہے۔ قرآن کے الفاظ میں اس سے مراد یہ ہے کہ طول امد کے نتیجہ میں افراد امت کے اندر قساوت کا دور آجانا (57:16)۔ یعنی امت کی بعد کی نسلوں میں افراد کے اندر دین کے بارے میں حساسیت ختم ہوجائے، اور اس بنا پر وہ دین کے قشر (shell) کو دین کا مغز (kernel) سمجھنے لگے۔ حدیث میں اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ بعد کے لوگوں میں تم دیکھو گے کہ ان کی مسجدوں میں نمازیوں کی بھیڑ ہوگی، لیکن ان کے دل ہدایت سے خالی ہوں گے (مَسَاجِدُهُمْ يَوْمَئِذٍ عَامِرَةٌ، وَهِيَ خَرَابٌ مِنَ الْهُدَى) شعب الایمان للبیہقی، حدیث نمبر 1908۔

احادیث کے مطالعے سے مزید یہ معلوم ہوتا ہے کہ امت مسلمہ کا زوال پچھلی امتوں سے بھی زیادہ ہوگا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ بعد کے زمانے میں مادی ترقیاں ہوں گی، مال کی فراوانی ہوگی، اور لوگوں کا یہ حال ہوجائے گا: وَأَنْ تَرَى الْحُفَاةَ الْعُرَاةَ الْعَالَةَ رِعَاءَ الشَّاءِ يَتَطَاوَلُونَ فِي الْبُنْيَانِ (صحیح مسلم، حدیث نمبر 8)۔ یعنی تم یہ دیکھو گے کہ ننگے پاؤں، ننگے بدن والے، غریب، بکریوں کے چرانے والے، اونچی عمارتوں پر فخر کریں گے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جو لوگ غربت کی حالت میں ہوں گے، وہی لوگ غربت کے باوجود بڑی بڑی عمارتیں بنائیں گے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ قدیم زمانے میں یہ حال تھا کہ بادشاہ لوگ بڑے بڑے محل بنایا کرتے تھے، لیکن بعد کے زمانے میں مال کی اتنی زیادہ فراوانی ہوگی کہ عام لوگ بھی شاہی ساز وسامان کے حامل ہوجائیں گے۔

احادیثِ فتن کی ان باتوں کو میں اس وقت سمجھا جب کہ میں پہلی بار امریکا گیا۔ وہاں میرا قیام کیلی فورنیا میں تھا۔ ایک دن ایک نوجوان مجھ کو اپنی نئی بڑی گاڑی پر لے گئے تاکہ مجھ کو وہاں کا ڈزنی لینڈ (Disneyland) دکھائیں۔ میں نے نوجوان سے پوچھا کہ آپ تو جلد ہی امریکا آئے ہیں، پھر آپ کے لیے کیسے ممکن ہوا کہ آپ ہر قسم کے اعلیٰ سامان اپنے لیے حاصل کرلیں۔

انھوں نے جواب دیا کہ یہ امریکا کے اقتصادی سسٹم کا کرشمہ ہے۔ آپ امریکا آئیں، اور یہاں آپ کے لیے ایک بڑی کمپنی میں جاب حاصل ہوجائے تو اس کے بعد ہر چیز آپ لون (loan) کے ذریعہ حاصل کرسکتے ہیں، اور اس کی ادائیگی ہر ماہ آپ کی سیلری سے کٹ کر براہ راست لون کمپنی کے اکاؤنٹ میں جاتی رہے گی۔ اس سسٹم کے تحت آپ یہاں ہر چیز حاصل کرسکتے ہیں۔ مثلاً ماڈرن اسٹائل کے شاندار مکان، بڑی گاڑی، فریج اور واشنگ مشین، موبائل فون، کمپیوٹر و لیپ ٹاپ، وغیرہ۔ حتی کہ عیش وعشرت کے وہ سامان جن کا پہلے زمانے میں بادشاہ لوگ بھی خواب نہیں دیکھ سکتے تھے، وہ یہاں قرض کے ذریعہ ایک عام آدمی حاصل کرسکتا ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ آپ کے پاس ایک اچھا جاب موجود ہو۔

اس کلچر نے جو سب سے بڑی برائی پیدا کی، وہ ہے جنون کی حد تک ہائی اسٹیٹس کا حصول، اور اس کے لیے کسی بھی حد تک جانے سے پس وپیش نہ کرنا۔ یہ کلچر پہلے اعلیٰ ترقی یافتہ ملکوں میں شروع ہوا، اب دنیا کے تقریباً ہر ملک میں اس کا رواج ہو چکا ہے۔ اس رواج کا نتیجہ ہے کہ آج کے اس مادی دور میں اگرچہ ایک مذہبی انسان خدا کو اپنا معبود مانتا ہے، لیکن عملاً اس کا زیادہ بڑا کنسرن مادی اعتبار سے ہائی اسٹیٹس کا حصول ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ مذہبی لوگوں نے اپنی مادہ پرستی کے لیے ایسے طریقے اختیار کرلیے ہیں، جو بظاہر دینی عمل لگتے ہیں، مگر حقیقت اس کے برعکس ہے۔ مثلاً عالیشان مسجدوں کی تعمیر، پیغام نکاح کی تقریب، رمضان میں انواع واقسام کے کھانے کی دھوم، وغیرہ۔

ظاہری دینداری کے اس کلچر کا سبب ہے کہ لوگوں نے دین کے مغز کو چھوڑ کر قشر کو اپنا اصل دین سمجھ لیا ہے۔ ایک انسان بظاہر مذہبی نظر آتا ہے، مگر اس کا دل تقوی اور خشوع سے خالی ہوتا ہے۔ کیوں کہ مغز دین کے لیے سب سے پہلے اپنی ذات کے اعتبار سے قربانی دینی پڑتی ہے، یعنی خواہشاتِ نفس کی قربانی۔ اس کے برعکس، قشر کے لیے زیادہ محنت کی ضرورت نہیں ہوتی، وہ بڑی قربانی کے بغیر پیسہ کے ذریعہ بڑی آسانی سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

فوق الفطری حکم

قرآن میں آیا ہے: إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ (12:40)۔ یعنی حکم صرف اللہ کے لیے ہے۔ اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ یہی سیدھا دین ہے۔ مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔

اس آیت میں حکم کا لفظ بطور خبر ہے، جب کہ عبادت کا لفظ بطور انشاء ہے۔ خبر کا مطلب ہے، کسی ہونے والے واقعہ کے بارے میں انفارمیشن دینا، اطلاع کرنا۔ اور انشاء کا مطلب ہے، کسی بات کے کرنے یا نہ کرنے کا مطالبہ کرنا یا حکم دینا۔ اس آیت میں یہ خبر دی گئی ہے کہ کائنات میں فوق الفطری اقتدار (supernatural sovereignty) صرف اللہ کا ہے، اور وہ ازل سے ابد تک قائم ہے، اور بحیثیت مقتدر اعلیٰ اس کا امر یہ ہے کہ انسان اپنے اختیارانہ ارادہ کے تحت صرف اسی کی عبادت کرے، اس کے علاوہ کسی اور کی عبادت نہ کرے۔ قرآن کی اس آیت سے حکومت الٰہیہ کا نظریہ نکالنا سرتاسر بے بنیاد ہے۔ یہ خبر کو انشاء بنانے کے ہم معنی ہے۔ ایسا کرنا مذموم تفسیر بالرائے کی ذیل میں آتا ہے۔

اصل یہ ہے کہ اللہ کا حکم ساری کائنات میں بالفعل قائم ہے، نہ کہ انسان اس کو قائم کرے۔ یہ کائنات میں جاری ایک فطری قانون کی خبر دی جارہی ہے۔ اب انسان کو یہ کرنا ہے کہ وہ اللہ رب العالمین کو دریافت کرے۔ اس کی دریافت اتنی زیادہ گہری ہو کہ وہ أَنْ تَعْبُدَ اللهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ (صحیح البخاری، حدیث نمبر 50) کا کیس بن جائے۔ یعنی تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو، گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو۔ بات صرف عبادت کی حد تک نہ ہو، بلکہ وہ اپنی پوری زندگی اسی میں جینے لگے۔ قرآن کے مطابق، اس کی نماز اس کی قربانی، اس کا جینا، اور اس کا مرنا، سب کا سب اللہ رب العالمین کے لیے ہو جائے (6:162)۔ وہ ہر چیز میں اللہ کی کارفرمائی کا مشاہدہ کرے، وہ کامل معنوں میں اللہ کا عبد بن جائے۔ اس کے لیے اللہ کا معاملہ صرف رسمی عقیدہ کا معاملہ نہ رہے، بلکہ اللہ اس کے لیے ایک زندہ عقیدہ کا معاملہ بن جائے، جیسا کہ آیت الکرسی میں بیان کیا گیا ہے۔ آیت الکرسی ایک لمبی آیت ہے اس کا ترجمہ یہ ہے:

اللہ، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ زندہ ہے، سب کا تھامنے والا (الْحَيُّ الْقَيُّومُ)۔ اس کو نہ اونگھ آتی ہے اور نہ نیند۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ کون ہے جو اس کے پاس اس کی اجازت کے بغیر سفارش کرے۔ وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے، اور وہ اس کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے مگر جو وہ چاہے۔ اس کی حکومت آسمانوں اور زمین پر چھائی ہوئی ہے۔ وہ تھکتا نہیں ان کے تھامنے سے۔ اور وہی ہے بلند مرتبہ، بڑا۔ (2:255)

انسان کے لیے اللہ کی دریافت کا ایک ذریعہ کائناتی نشانیوں میں غور وفکر کرنا ہے۔ دورِ جدید میں سائنسی دریافتوں نے ان نشانیوں کا دائرہ بہت وسیع کر دیا ہے۔ مثلاً انسان جب کائنات کا مشاہدہ کرتا ہے، وہ پاتا ہے کہ کہکشائیں (galaxies)، اور پورا شمسی نظام (solar system) نہایت صحت (accuracy) کے ساتھ چل رہے ہیں۔ سورج کا نکلنا اور ڈوبنا انتہائی صحت کے ساتھ پیش آتا ہے۔ ملین اور بلین سال کے اندر بھی اس میں کوئی فرق نہیں آتا۔ وہ دریافت کرتا ہے کہ کائنات مسلسل طور پر پھیل رہی ہے۔ چاروں طرف اس کا پھیلنا (expansion) انتہائی صحت (precision) کے ساتھ واقع ہو رہا ہے۔ متحرک ملکی وے (milky way) کے ایک کنارہ پر پورا شمسی نظام اس طرح قائم ہے کہ شمسی نظام بھی حرکت میں ہے، اور ملکی وے بھی حرکت میں ہے، اور یہ پورا واقعہ حد درجہ صحت کے ساتھ پیش آرہا ہے۔ ملین اور بلین سال کے بعد بھی اس میں کوئی فرق نہیں آتا۔ اس طرح کے بے شمار نظامات ہیں، جو اس لامحدود حد تک وسیع خلا (space) میں پھیلے ہوئے ہیں۔ مثلاً ستاروں کا نظام (stellar systems) اور ایکسو پلانیٹری سسٹم (exoplanetary systems)، وغیرہ۔ ان میں سے ہر ایک مسلسل طور پر بے حد تیز رفتار مگر انتہائی صحت کے ساتھ متحرک ہیں۔ مگر ان میں کبھی ادنیٰ درجہ کا بھی ٹکراؤ نہیں ہوتا۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس کائنات کا انتظام کرنے والا ایک حی وقیوم خالق ومالک ہے۔ اس کے بغیر یہ انتظام ممکن نہیں۔

قرآن کی مذکورہ بالا آیت میں عظمتِ خداوندی کا ذکر ہے، نہ کہ زمین پر حکم خداوندی کے بزور نفاذ کا کوئی مطالبہ۔ یعنی یہ فوق الفطری حکم بالفعل قائم ہے، تاکہ انسان اس فوق الفطری حکم کے ذریعے خدا کو دریافت کرے، اور اس کے آگے خود اختیار کردہ ڈسپلن کے تحت جھک جائے۔

تعمیری طریقہ

سید منصور آغا (پیدائش 1945) دہلی میں رہتے ہیں ان کا وطن میرٹھ ہے۔ یکم جولائی 1996 کی ملاقات میں انھوں نے اپنا ایک تجربہ سنایا جس میں ایک قیمتی سبق موجود ہے۔ 64-1963 میں وہ میرٹھ کالج کے طالب علم تھے۔ ان کے پولیٹکل سائنس کے استاد مسٹر کے سی گپتا تھے۔ ہندستان کی سیاسی تاریخ پر جب انھوں نے لکچر دینا شروع کیا تو یہ آغا صاحب کے لیے بہت پریشان کن ثابت ہوا۔ یہی حال ان کے ساتھی مستعین الرحمن صاحب کا تھا۔ مسٹر گپتا نے اپنے لکچر میں تقسیم اور سیاسی تاریخ کو اس طرح بتایا جس میں سارا الزام مسلمانوں پر آتا تھا۔ دونوں طالب علموں نے آپس میں مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہیے۔ آخر میں انھوں نے طے کیا کہ غصہ ہونے یا مشتعل ہونے سے کوئی فائدہ نہیں۔ ہم لوگوں کو اپنے آپ کو اس کے لیے تیار کرنا چاہیے کہ ہم مسٹر گپتا کی علمی کاٹ کر سکیں۔

طے شدہ پروگرام کے مطابق، اب دونوں اپنا خالی وقت لائبریری میں گزارنے لگے۔ وہ ہندستان کی سیاسی تاریخ اور تقسیم ہند کے تاریخی ریکارڈ کا مطالعہ کرتے۔ اس طرح وہ پوری ذہنی تیاری کے ساتھ کلاس میں جانے لگے۔ انھوں نے یہ کیا کہ جب گپتا صاحب تاریخ کی کوئی غلط تعبیر پیش کرتے تو آغا صاحب اور ان کے ساتھی فوراً انھیں ٹوکتے اور پورے حوالہ کے ساتھ کہتے کہ آپ ایسا کیوں کر کہتے ہیں۔ فلاں کتاب میں تو یہ بات اس طرح لکھی ہوئی ہے۔ اور فلاں مورخ نے تو اس کو اس طرح بیان کیا ہے۔

کچھ دن ایسا چلتا رہا۔ آخر کار ایک دن مسٹر گپتا نے دونوں طالب علموں کو اپنے کمرے میں بلایا۔ انھوں نے کہا کہ میرے دل میں تم لوگوں کی بہت قدر ہے۔ تم لوگوں نے میری تصحیح کر دی اور مجھے روشنی دکھائی۔ اس کے بعد مسٹر گپتا کے لکچر کا انداز بالکل بدل گیا۔ وہ آخر وقت تک دونوں مسلم طالب علموں کے ساتھ نہایت عزت کا سلوک کرتے رہے۔

اس طرح کے کسی مسئلہ کے حل کا یہی تعمیری طریقہ ہے۔ اور مسائل ہمیشہ تعمیری طریقہ سے حل ہوتے ہیں، نہ کہ تخریبی طریقہ سے۔

ایک انٹرویو

(تیسری قسط)

سوال: مولانا، فسادات کے بارے میں عموماً اس طرح کی خبریں آتی ہیں کہ ہندو لیڈروں کی اشتعال انگیزی فسادات کا باعث بن جاتی ہے۔ آپ بتائیں گے کہ فسادات کا آغاز کس طرح ہوتا ہے اور فوری اسباب کیا ہوتے ہیں؟

جواب: بڑا اہم سوال ہے کہ فساد کس طرح شروع ہوتا ہے۔ اس کو سمجھانے کے لیے میں آپ کو دو مثالیں دوں گا۔

علی گڑھ میں ہر سال دنگل ہوتا ہے، جس میں ہندو اور مسلمان دونوں شریک ہوتے ہیں۔ اگست 1978 کے ایک دنگل میں مسلم پہلوان کو شکایت ہوئی کہ اس کے ساتھ دھاندلی کی گئی ہے۔ اس کی شکایت کا نشانہ سریش بھورے تھا جس سے اس کی رقابت چلی آرہی تھی۔ دنگل کے بعد مسلمان پہلوان نے طے کرلیا کہ سریش بھورے سے انتقام لینا ہے۔ اکتوبر کی ایک شام کو انصار احمد پہلوان اور اس کے ساتھی سریش بھورے کو اکیلا پا کر اس پر حملہ آور ہو گئے اور چھرے سے وار کر کے اس کو زخمی کر دیا۔ وہ مر گیا۔ سریش بھورے کا مرنا شہر کے ہارے ہوئے فرقہ پرست لیڈروں کے لیے ایک نادر موقع تھا۔ انہوں نے جلوس نکالا اور نعرہ لگایا کہ خون کا بدلہ خون۔ اشتعال انگیز تقریریں کر کے پورے شہر کی فضا کو خراب کر دیا، یہاں تک کہ فساد شروع ہو گیا اور علی گڑھ جل کر خاکستر ہو گیا۔

ہندو مسلم فسادات اکثر ان مقامات پر ہوتے ہیں جہاں مسلمان اقتصادی اعتبار سے نسبتاً بہتر ہیں۔ اس لیے یہ سمجھ لیا گیا کہ یہ مسلمانوں کی اقتصادیات کو برباد کرنے کی منظم سازش ہے۔ حالانکہ اس کی سادہ سی وجہ یہ ہے کہ مسلمان جن مقامات پر بہتر حیثیت میں ہیں، وہیں وہ جذباتی حرکتیں بھی زیادہ کرتے ہیں۔ کسی آدمی کو پرجوش کارروائی کرنے کے لیے ہمیشہ سماجی پشت پناہی درکار ہوتی ہے۔ یہ سماجی پشت پناہی ان مقامات کے مسلمانوں کو بآسانی مل جاتی ہے، جہاں وہ اقتصادی اعتبار

سے بہتر ہوں۔ مسلمانوں کے آپس کے جھگڑے اور اختلافات بھی انہی مقامات پر زیادہ ہوتے ہیں جہاں انہیں کسی قدر معاشی استحکام حاصل ہو۔ اسی طرح مسلم اور غیر مسلم تصادم بھی اکثر ان مقامات پر ہوتا ہے جہاں مسلمان عددی اور اقتصادی اعتبار سے اپنے آپ کو زیادہ محفوظ سمجھتے ہیں۔

خدا اور رسول کا حکم ہے کہ اپنے آدمی کو ابتدائی شرارت کے وقت پکڑو۔ مگر وہاں مسلمانوں کے قائدین صرف اس وقت متحرک ہوتے ہیں جب فساد بڑھ کر اپنی عمومی بربادی تک پہنچ جاتا ہے۔ ابتدائی چنگاری کو بھڑکانے والے کا ہاتھ پکڑنے کے لیے کوئی نہیں اٹھتا۔ جب ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو ستاتا ہے تو کوئی بھی موقع پر پہنچ کر ظالم مسلمان کا ہاتھ نہیں پکڑتا۔ حالانکہ اس قسم کے مظلوم مسلمان اکثر منفی جذبات کا شکار ہو کر ایسی کارروائیاں کرتے ہیں جس کی سزا پورے معاشرے کو بھگتنی پڑتی ہے۔

اسی طرح جب ایک غیر مسلم سے شکایت پیدا ہونے پر ایک مسلمان اس کے خلاف تخریبی منصوبہ بناتا ہے یا جب کچھ مسلمان غیر مسلموں کے سامنے یہ بے معنی مطالبہ لے کر کھڑے ہو جاتے ہیں کہ ہماری نماز کے وقت عبادت گاہ کی گھنٹیاں نہ بجاؤ، یا مسجد کے سامنے سے اپنا جلوس نہ لے کر جاؤ تو ایسے مواقع پر مسلمانوں میں سے کوئی نہیں اٹھتا کہ ان سر پھرے مسلمانوں کو روکے۔

خدا کی ہدایت یہ ہے کہ ہم انفرادی فساد کے وقت متحرک ہوں۔ مگر ہمارے تمام لیڈر صرف اجتماعی فساد کے وقت متحرک ہوتے ہیں۔ یہ خدا کے راستے پر چلنے کے بجائے خود ساختہ راستے پر چلنا ہے۔ اور خود ساختہ راستے پر چلنا خدا کے غضب کو دعوت دینا ہے۔

مئی 1984 میں بھیونڈی تھانے اور بمبئی (ممبئی) کے علاقہ میں خونریز فساد ہمارے مسلمان رہنماؤں کے اندازِ کار کی بہترین مثال ہیں۔ یہ فساد اتنا شدید تھا کہ اخبارات نے اسے زمین کے اوپر جہنم قرار دیا۔ واقعہ یہ تھا کہ انتہا پسند ہندو تنظیم کے لیڈر بال ٹھاکرے نے اپریل 1984 کو چوپاٹی کے مقام پر ایک تقریر کی۔ نہ ملک کی کسی نیوز ایجنسی نے اس تقریر کو نشر کیا اور نہ کسی اخبار نے اس کی رپورٹ شائع کی۔ بعض مقامی نوعیت کے مرہٹی اخبارات نے اس کی رپورٹنگ کی، لیکن یہ اشتعال انگیز

نہیں تھی۔ البتہ بنگلور کے اردو اخبار "نشیمن" نے اس کی جو رپورٹ شائع کی وہ مسلمانوں کے لیے خاصی اشتعال انگیز ثابت ہوئی۔ بعد میں بمبئی (ممبئی) کے ایک اخبار "عالم" نے اس کو تیز و تند سرخیوں کے ساتھ نقل کیا۔ اس کے بعد حسب عادت اردو اخبارات نے پرشور تبصرے کیے۔ ان اخبارات کا کہنا تھا کہ بال ٹھاکرے نے قرآن اور پیغمبر اسلام کی توہین کی ہے۔ حالانکہ بال ٹھاکرے نے دہلی کے انگریزی میگزین "لنک" کو ایک انٹرویو دیتے ہوئے اس کی تردید کی اور اسے جھوٹ قرار دیا اور یہ پیشکش بھی کی کہ تقریر کا ٹیپ سن لیا جائے تاکہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے۔

3 مئی کو بھیونڈی میں شیوجینتی کا جلوس نکلا، حالانکہ قبل ازیں اس کی اجازت نہیں لی گئی تھی۔ مسلمانوں کو جلوس پر اعتراض تھا۔ بہرحال حفاظتی اقدامات کے سبب جلوس عافیت سے گزر گیا۔ 11 مئی کو مسلمانوں نے ایک عصہ بھرا جلوس نکالا، جو شیلی تقریریں کیں اور بال ٹھاکرے کی مورت بنا کر اس کو پرانی چپلوں کا ہار پہنایا گیا۔ اس فضا میں 16 مئی کو شب برات منانے کا فیصلہ کیا گیا۔ بھیونڈی کی سڑکیں اور گلیاں جن کی گندگی کو ختم کرنے کا کبھی کسی مسلمان کو خیال نہ آیا تھا، ان کو سبز جھنڈیوں سے سجایا جانے لگا۔ جھنڈے کا جہاد یہاں تک پہنچا کہ پرجوش مسلمانوں نے ایک مقام پر جہاں پہلے سے شیوسینا کا جھنڈا لگا ہوا تھا، وہاں سبز جھنڈا لہرا دیا، جو ان کے خیال میں اسلامی جھنڈا تھا۔ اس اشتعال کی فضا میں 16 مئی کو شیوسینا کے لیڈروں نے بمبئی بند منایا جس نے اشتعال کو آخری حدوں تک پہنچا دیا اور پھر 17 مئی کو بھیونڈی میں فساد پھوٹ پڑا۔ یہ فساد اتنا شدید تھا کہ چند دنوں کے اندر اربوں روپے کا مالی نقصان ہوا۔ جانی نقصان اس کے علاوہ تھا۔ فساد کو کنٹرول کرنے کے لیے فوج کی مدد لینی پڑی۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ نقصان یک طرفہ تھا۔

حدیث میں مومن کی یہ تعریف کی گئی ہے کہ وہ ایسا اقدام نہیں کرتا جس سے نمٹنے کی اس کے اندر طاقت نہ ہو (سنن الترمذی، حدیث نمبر 4016)۔ مگر یہاں مسلمانوں نے ایسا اقدام کیا جس میں وہ چھری کے مقابلہ میں خربوزہ ثابت ہوئے۔ جو مسلمان اس قسم کے غیر حکیمانہ افعال میں مبتلا ہوں، سمجھ میں نہیں آتا کہ ان کی اسلامیت کو کس خانہ میں رکھا جائے؟ (جاری)

ڈائری 1986

23 جون 1986

مجھے اپنی زندگی میں بار بار ایک ہی تجربہ ہوا ہے۔ اس تجربہ میں ابھی تک کوئی استثنا ثابت نہ ہوسکا۔ مزید یہ کہ تجربات کی اس لمبی مدت میں اکابر کے نام بھی موجود ہیں اور اصاغر کے نام بھی۔

وہ تجربہ یہ ہے کہ ایک شخص ابتدائی تعلقات میں میرے ساتھ خوش اخلاقی برتتا ہے، وہ بڑے بڑے الفاظ میں میرا اعتراف کرتا ہے، وہ میرے مشن میں بھرپور ساتھ دینے کا اقرار کرتا ہے۔ اس کے بعد جب تعلقات بڑھتے ہیں اور کوئی اختلافی بات سامنے آتی ہے یا کسی وجہ سے اس کی انا پر چوٹ لگتی ہے تو اچانک وہی آدمی دوسرا آدمی بن جاتا ہے۔

میری تعریف کرنے والا میری برائی کرنے لگتا ہے۔ میرا ساتھ دینے والا میرا دشمن بن جاتا ہے۔ جو شخص پہلے میرے مقابلے میں خوش اخلاقی کا پیکر تھا، اب وہ میرے مقابلہ میں بداخلاقی کا مجسمہ نظر آنے لگتا ہے۔ حتیٰ کہ میری تخریب کاری اس کا محبوب مشغلہ بن جاتا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ زمانہ کے مسلمان اخلاق کے اعتبار سے عین اس مقام پر ہیں، جہاں پہلے یہود تھے۔ معمول کے حالات میں اچھا بنے رہنا اور غیر معمول والے حالات پیدا ہوتے ہی کچھ سے کچھ ہوجانا، یہ یقینی طور پر یہودیت ہے۔ اور یہی یہودیت ہے جس پر آج کے مسلمان قائم ہیں۔

مومن و مسلم وہ ہے جو اللہ سے ڈرے، اور اللہ سے ڈرنے والا آدمی ایسا نہیں کرسکتا کہ وہ دوستی کے وقت اچھا بنا رہے اور اختلاف کے وقت تخریب کاری کا نمونہ پیش کرے۔

24 جون 1986

آفتاب احمد صاحب کی لڑکی کی شادی تھی۔ شادی کی تقریب گرین پارک کے قریب (بارات گھر) میں ہوئی۔ آفتاب احمد صاحب انجینئرس انڈیا (نئی دہلی) میں خریداری کے افسر ہیں۔ انجینئرس انڈیا میں 99 فیصد ہندو صاحبان کام کرتے ہیں۔ آفتاب احمد صاحب نے خود آکر اصرار کیا تھا، اس لیے میں بھی شادی کی تقریب میں شریک ہوگیا۔ اگرچہ اس طرح کی تقریبات میں شرکت میرے ذوق کے سراسر خلاف ہے۔

آفتاب احمد صاحب نے گفتگو کے دوران بتایا کہ میں نے اپنے ہندو ساتھیوں (colleagues) کو تقریب میں شرکت کا دعوت نامہ دیا تو انہوں نے کہا کہ ہم ضرور آئیں گے، تاکہ دیکھیں کہ مسلمانوں کی شادی کس طرح ہوتی ہے۔ آفتاب احمد صاحب نے کہا کہ ہمارے یہاں تو بس 5 منٹ میں نکاح ہو جاتا ہے۔ آفتاب احمد صاحب نے بتایا کہ اس کو سن کو وہ لوگ تعجب میں پڑ گئے:

They were surprised

ہندو صاحبان نے کہا کہ آپ لوگ بہت اچھے ہیں۔ ہم ہندوؤں کے یہاں تو شادی کی تقریبات میں 3-3 دن لگ جاتے ہیں۔ اسلام کی ہر تقریب سادہ اور فطری ہوتی ہے۔ تاہم یہ صرف "مسلمانوں کے مذہب" کی خصوصیت نہیں۔ بلکہ تمام خدائی مذاہب کی خصوصیت ہے۔ ہر دین جو خدا کی طرف سے آیا وہ ابتداءً سادہ اور فطری ہی تھا۔ مگر بعد کو ان میں ملاوٹ ہوئی اور اس کی وجہ سے ان کی شکل کچھ سے کچھ ہو گئی۔ اسلام چونکہ ملاوٹوں سے پاک ہے، اس لیے وہ اپنی اصل سادگی پر بدستور باقی ہے۔

اسلام کے پیروؤں نے بھی اگرچہ بعد کو اضافے کیے، مگر یہ اضافے اصل متن میں شامل نہ ہو سکے۔ اس لیے دوسرے مذاہب کے برعکس اسلام میں ایسا ہے کہ اگرچہ اس میں ہر قسم کے اضافے کیے جا چکے ہیں، مگر یہ اضافے مسلمانوں کی اپنی عملی زندگی میں ہیں، نہ کہ قرآن کے مقدس متن میں۔

25 جون 1986

جناب اسرار احمد صاحب ایم اے، دہلی کے لفٹننٹ گورنر کے پریس سکریٹری ہیں۔ ان کے یہاں الرسالہ جاتا ہے۔ بہت دنوں کے بعد ان سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے بتایا کہ میں پابندی کے ساتھ الرسالہ پڑھتا ہوں اور پڑھنے کے بعد اس کو لفٹننٹ گورنر صاحب کے پاس بھیج دیتا ہوں۔

اسرار احمد صاحب نے گفتگو کے دوران بتایا کہ میں موجودہ سروس میں 9 سال سے ہوں۔ اس درمیان میں، میں نے سات لفٹیننٹ گورنر صاحبان کے ساتھ کام کیا ہے۔ یہ سب کے سب اچھی اردو جاننے والے لوگ تھے، بلکہ وہ اردو ہی جانتے تھے۔ ہندی سے تقریباً ناواقف تھے۔

میں نے پوچھا کہ کیا دہلی کے لیے یہ گورنمنٹ کی پالیسی ہے کہ یہاں اردو داں لفٹننٹ گورنر رکھا جائے۔ انہوں نے کہا کہ ایسا نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ لفٹننٹ گورنر کے عہدہ کے لیے سینئر آدمی کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ اور ہندوؤں میں جو سینئر اور پرانے لوگ ہیں، وہ اکثر اردو جانتے ہیں۔ نیز جو لوگ

تقسیم کے بعد پاکستان سے آئے ہیں، وہ تو سب کے سب اردو داں ہیں۔ گورنری وغیرہ کے عہدے اکثر انہیں حضرات کو دیے جاتے ہیں۔

ایک وقت تھا جب ہندو، کم از کم شمالی ہند کے ہندو، اچھی طرح اردو سے واقف تھے۔ مسلمان اپنی مادری زبان میں ان کو اسلام کا پیغام پہنچا سکتے تھے، مگر کئی نسل گزر گئی اور مسلمانوں نے یہ کام نہ کیا۔ اس کے بعد ملک کی تقسیم ہوئی اور نئے حکمرانوں نے ملک کو دوسرے رخ پر چلانا شروع کیا۔

اب ہندوؤں کی نئی نسل اور مسلمانوں کے درمیان ایک قسم کا لسانی بعد (language gap) پیدا ہو گیا ہے۔ چنانچہ ہندوؤں کی نئی نسل تک اسلام کا پیغام پہنچانا انتہائی حد تک مشکل ہو چکا ہے۔ اب عملاً وہی تھوڑے سے لوگ رہ گئے ہیں، جو ہندوؤں کی پرانی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ آخری توقع ہے جس سے مسلمانوں کو فائدہ اٹھانا چاہیے۔

30 جون 1986

میں 1967 میں دہلی آیا۔ ابتدا میں تقریباً 15 سال میرا قیام پرانی دہلی میں رہا۔ پرانی دہلی میں چھوٹی سی جگہ میں بے شمار انسان بسے ہوئے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ ایشیا کا سب سے زیادہ گھنا علاقہ ہے۔ میں جب پرانی دہلی میں تھا تو وہاں انسانوں کے شور سے پریشان رہتا تھا۔ میں سوچتا تھا کہ اگر نئی دہلی میں رہائش کی صورت پیدا ہو جائے تو وہاں زیادہ سکون کے ساتھ کام ہو سکتا ہے۔

1983 میں نئی دہلی میں مرکز قائم ہوا اور اللہ تعالیٰ نے یہاں رہنے کی صورت پیدا فرما دی۔ مگر اصل مسئلہ سے پھر بھی چھٹی نہیں ملی۔ پرانی دہلی میں اگر انسانوں کا شور تھا تو یہاں کتوں کا شور سننا پڑا۔ یہاں کے اعلیٰ تعلیم یافتہ اور خوش حال افراد عام طور پر اپنے گھروں میں کتے پالے ہوئے تھے اور وہ برابر بھونکتے رہتے تھے۔ نئی دہلی میں، میں انسانی شور کے ماحول سے باہر نکل آیا تھا۔ مگر کتوں کے شور سے میں اب بھی مامون نہ تھا۔

شاید موجودہ دنیا میں شور سے چھٹی ملنے والی نہیں۔ بے شور کا ماحول انسان کو صرف جنت میں ملے گا۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جبریل آئے اور کہا کہ اللہ نے خدیجہ کو اپنا سلام بھیجا ہے۔ ایک اور روایت کے الفاظ ہیں: أُمِرْتُ أَنْ أُبَشِّرَ خَدِيجَةَ بِبَيْتٍ مِنْ قَصَبٍ، لَا صَخَبٌ فِيهِ وَلَا نَصَبٌ (سیرت ابن ہشام، جلد 1، صفحہ 214)۔ یعنی، مجھے حکم دیا گیا کہ میں خدیجہ کو جنت میں ایک ایسے مکان کی بشارت دوں جو یاقوت کا بنا ہوا ہوگا اور اس میں نہ شور ہوگا اور نہ تکلیف۔

شخصیت پرستی، تربیت سازی

23 نومبر 2024 کو نظام الدین ویسٹ میں سی پی ایس انٹرنیشنل کے نئے سینٹر کا افتتاح کیا گیا ہے۔ اس موقع پر ایک فرق کو سمجھنا ضروری ہے۔ وہ یہ کہ شخصیت پرستی ایک چیز ہے، اور کسی شخصیت کے علم وحکمت سے زندگی کی سیکھ (learning) حاصل کرنی الگ بات۔ شخصیت پرستی (personality cult) کا مطلب ہے کسی انسان کی ذات کے بارے میں غلو آمیز رویہ اختیار کرنا، اس کی ذات کو بڑھا چڑھا کر لوگوں کے سامنے پیش کرنا۔ حدیثِ رسول میں اسی قسم کی شخصیت پرستی سے منع کیا گیا ہے (صحیح البخاری، حدیث نمبر 3445)۔ اس کے برعکس، کسی انسان کے علم و حکمت سے استفادہ کرنا، اور اس کو پھیلانا، اسلام میں پسندیدہ عمل ہے۔ اسلام کی پوری تاریخ میں یہ عمل جاری رہا ہے۔ اسلامی لٹریچر میں اس کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ اس سلسلے کی ایک متعلق حدیث یہ ہے۔ حضرت ابوبکرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: اغْدُ عَالِمًا أَوْ مُتَعَلِّمًا أَوْ مُسْتَمِعًا أَوْ مُحِبًّا وَلَا تَكُنِ الْخَامِسَ فَتَهْلَكَ (مسند البزار، حدیث نمبر 3626)۔ یعنی، علم پھیلانے والے بنو، یا علم سیکھنے والے بنو، یا علم کو دھیان سے سننے والے بنو، یا علم سے محبت کرنے والے بنو، مگر پانچویں نہ بنو ورنہ تم تباہ ہو جاؤ گے۔

سی پی ایس انٹرنیشنل اور اس کے نئے سینٹر کا مقصد کیا ہے، اس کو مولانا وحید الدین خاں صاحب کے ان الفاظ سے سمجھا جا سکتا ہے:

"ڈاک سے ایک لفافہ موصول ہوا۔ اس میں ایک دینی ادارے کے ہفت روزہ میگزین کے ایک صفحے کی فوٹو کاپی تھی۔ یہ مضمون ادارے کے بانی کے بارے میں ہے۔ اس مضمون کا عنوان ہے "چراغِ عالم اسلام تھے"۔ اس عنوان کے نیچے جو مضمون ہے وہ گویا نثر میں شاعری ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مضمون نگار نے نعت کے تمام شاندار الفاظ بانیِ ادارہ کی قصیدہ خوانی میں صرف کر دیے ہیں۔ اس مضمون کو دیکھ کر مجھے خیال آیا کہ میری وفات کے بعد جو لوگ میری تعریف میں اس قسم کے قصیدے لکھیں گے، وہ میرے جھوٹے ماننے والے ہوں گے۔ میرے حقیقی ماننے والے وہ ہیں، جو میرے مشن کو لے کر آگے بڑھیں، جو میرے اس دنیا سے

جانے کے بعد اس دینی جدوجہد کے لیے پہلے سے زیادہ سرگرم ہوجائیں۔

میرا کام اللہ کے سچے دین کا اعلان واظہار ہے۔ میری ساری دلچسپی صرف اس بات سے ہے کہ اللہ کی بڑائی بیان کی جائے۔ پیغمبر اسلام کی لائی ہوئی ہدایت کو آج کے انسانوں تک پہنچایا جائے۔ لوگوں کو آنے والے ہولناک دن سے ہوشیار کیا جائے۔ میرے بعد جو لوگ میرے اس مشن کے لیے سرگرم ہوں وہی میرے سچے ساتھی ہیں۔ اور جو لوگ نظم ونثر میں میری تعریف کریں، ان سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ ان کی راہ الگ ہے اور میری راہ الگ۔" (ڈائری 23 اپریل 1985)

سی پی ایس انٹرنیشنل مولانا کے حکمت ومعرفت پر مبنی علمی میراث کو آگے بڑھانے کے لیے قائم کیا گیا ہے۔ یعنی اسلام کو عصری اسلوب میں تمام انسانوں کے سامنے پیش کرنا۔ ماڈرن فکری چیلنج کے مقابلے میں اسلام کے لیے موجود نئے امکانات کی طرف رہنمائی کرنا۔ قرآن کو خدا کے منصوبہ تخلیق کے اعتبار سے تمام انسانوں کے لیے قابلِ فہم بنانا، اور ان کی اپنی زبان میں آسانی سے دستیاب کرانا، وغیرہ۔

مولانا کی تحریر وتقریر سے انسان میں کتنی تبدیلی آئی ہے، اس کو جاننے کے لیے الرسالہ خبرناموں کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ الرسالہ کے خصوصی شمارہ داعیِ اسلام مولانا وحید الدین خاں (اگست ستمبر 2021) کا بھی مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ اس میں مشہور مسلم اسکالر ڈاکٹر محمد اکرم ندوی، ڈین آکسفرڈ اسلامک سینٹر کا بھی مضمون ہے۔ انھوں نے اپنے مضمون میں اس حقیقت کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے کہ " کون ہے جو اس کا اعتراف نہ کرے کہ مولانا نے بے شمار انسانوں کے ذہنوں کو متاثر کیا، ان کی تحریروں نے جدید تعلیم یافتہ طبقہ کی رہنمائی میں بڑا کردار ادا کیا، انہوں نے مثبت اور پرامن طریقہ سے ٹھوس اور پائیدار کام کرنے کا نمونہ پیش کیا، اور کتنے مایوس لوگوں کو یاس وناامیدی سے نکالا اور انہیں جینے کا حوصلہ دیا"۔ اسی طرح ذوالفقار خان نامی ایک صاحب اپنے فیس بک وال پر لکھتے ہیں کہ "مولانا وحید الدین خان کی کتب انسانی رویے کو بدلنے میں بہت اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ ہر صفحہ سبق آموز ہوتا ہے"۔

اس قسم کے تاثرات گویا اس بات کی یاد دہانی ہیں کہ جن تحریروں اور تقریروں نے پہلے بے شمار لوگوں کی زندگیاں بدلی ہیں، اب ان کو ایسے لوگوں تک پہنچانا چاہیے، جن کو یہ پیغام اب تک نہیں مل سکا ہے۔ سی پی ایس انٹرنیشنل کا یہی مقصد ہے۔ اور اسی مشن کو لے کر ہمیں آگے بڑھنا ہے۔ (ڈاکٹر فریدہ خانم)

خبرنامہ اسلامی مرکز — 284

● 23 اور 24 نومبر 2024 کو نظام الدین ویسٹ میں سی پی ایس انٹرنیشنل کے نئے سینٹر کا افتتاح ہوا۔ اس اہم موقع پر ہندستان اور بیرونِ ملک سے سی پی ایس کے ممبران نے شرکت کی۔ سی پی ایس کے مشن اور مقصد پر روشنی ڈالی گئی اور بانیِ مشن مولانا وحید الدین خان کی زندگی اور خدمات کو یاد کیا گیا۔ ڈاکٹر فریدہ خانم، ڈاکٹر ثانی اثنین خاں، ڈاکٹر رجت ملہوترا، مسٹر نودیپ کپور، مسٹر خرم قریشی، مسٹر فراز خان، مسٹر وکرانت ڈاگر، مسٹر مونس اقبال اور مز استھی ملہوترا (نئی دہلی)، محترمہ فاطمہ سارہ (بنگلور)، مولانا سید اقبال عمری (تامل ناڈو)، مولانا فیاض الدین عمری (گلبرگا)، مولانا شمس الدین ندوی (بھوپال)، مسٹر اسد پرویز (امریکا)، مسٹر ساجد انور (یو اے ای)، عبد الصمد صاحب (پونے)، حافظ ابوالحکم دانیال (پٹنہ)، ڈاکٹر محمد اسلم خان (سہارن پور)، مسٹر محمد عبد اللہ (کولکاتا)، مسٹر حمید اللہ حمید اور مسٹر عامر موری (کشمیر)، مسٹر سلیم وانی (راجوری)، ایاز صاحب (جمشید پور)، محترمہ فہمیدہ خانم (فیض آباد)، اور ان کی ٹیم کے لوگوں نے شرکت کی۔ اس موقع پر مولانا وحید الدین خان کی کتابوں کے انگریزی اور دیگر نیشنل و انٹرنیشنل زبانوں میں ترجمہ شدہ کتابیں بھی ریلیز کی گئیں، جن کی تعداد 41 تھی۔ مثلاً *God and the Universe* (ترجمہ: خدا کی دریافت)، *The Issue of Blasphemy* (ترجمہ: شتم رسول کا مسئلہ) اور *Shared Wisdom*، وغیرہ۔ اس پروگرام سے تمام شرکاء معرفت و دعوت کی جدو جہد کے لیے نیا عزم لے کر واپس ہوئے۔

● اس افتتاحی تقریب میں ایک نہایت اہم چیز ریلیز کی گئی، سی پی ایس چیٹ بوٹ (CPS Chatbot)۔ یہ چیٹ بوٹ مولانا وحید الدین خان کی کتابوں اور ان کی قرآن کی تفسیر اور ترجمہ کی بنیاد پر تیار کیا گیا ہے۔ اسلام، روحانیت، امن اور زندگی کے چیلنجز کے بارے میں سوال کریں اور یہ چیٹ بوٹ آپ کو مولانا وحید الدین خاں صاحب کے لٹریچر پر مبنی جواب دے گا۔ اس چیٹ بوٹ کو استعمال کرنے کے لیے یہ QR کوڈ اسکین کریں۔

وضاحت: یہ چیٹ بوٹ ابھی آزمائشی مرحلے میں ہے۔ اگر کسی سوال کا جواب درست نہ ہو یا آپ کے پاس اس بوٹ کو بہتر بنانے کی کوئی تجویز ہو، تو براہ کرم ہمیں اس ای میل پر مطلع کریں:

info@spiritualmessage.org

● 4 سے 6 اکتوبر 2024 کو مالیگاؤں میں ایک سی پی ایس میٹ رکھی گئی۔ اس میٹ میں مہاراشٹر سے تعلق رکھنے والے 18 ممبران شریک ہوئے۔ وہاں انھوں نے آپس میں معرفت بیسڈ انٹرایکشن کیا، اور دعوتی کام کو کیسے آگے بڑھایا جائے، اس پر غور و فکر کیا۔ تمام ممبران نے خدا کے کام کے لیے نئی اسپرٹ کے ساتھ آگے بڑھنے کا عزم کیا۔

● ڈاکٹر محمد اسلم خان (سی پی ایس سہارنپور) نے اطلاع دی ہے کہ 16 نومبر 2024 کو چندی گڑھ یونیورسٹی نے سہارنپور کے ہوٹل Oasis میں ایک ایجوکیشنل پروگرام کا انعقاد کیا۔ اس موقع پر ڈاکٹر محمد اسلم خان بھی مدعو کیے گئے

تھے۔انھوں نے تمام معزز مہمانوں کے درمیان انگریزی اور ہندی تراجم قرآن اور دیگر کتابیں بطور تحفہ تقسیم کیں۔

● کیپٹن خرم قریشی، جو اس وقت ایئر انڈیا میں خدمات انجام دے رہے ہیں، بیرون ملک سفر کرتے رہتے ہیں اور سی پی ایس انٹرنیشنل کی آئڈیالوجی سے لوگوں کو متعارف کرواتے ہیں۔مثلاً 24 اکتوبر 2024 کو انھوں نے نیروبی (کینیا) میں مصطفی صاحب اور ان کی ٹیم سے ملاقات کی۔وہ ایک بڑی مسجد کے ٹرسٹی ہیں۔اس مشن کے بارے میں سن کر وہ لوگ بہت خوش ہوئے۔سواحلی زبان میں ترجمۂ قرآن کو دیکھ کر ان کی خوشی بہت زیادہ بڑھ گئی۔کیوں کہ سواحلی زبان میں اتنی اچھی زبان وطباعت کے ساتھ کوئی ترجمۂ قرآن موجود نہیں ہے۔اس کے بعد وہ لوگ خرم قریشی صاحب کو ایڈمز دعوہ سینٹر لے گئے، جو وہاں کا ایک مشہور دعوتی ادارہ ہے۔اسی کے ساتھ دیگر اسلامی تنظیموں کے ایسے افراد سے بھی رابطہ کروایا جو وہاں دعوتی کام کر رہے ہیں۔تمام لوگوں نے نہایت شوق سے سی پی ایس مشن سے متعلق معلومات حاصل کیں۔وہ سی پی ایس مشن اور سواحلی قرآن سے کافی متاثر ہوئے۔

● 11 اگست 2024 کو جامعہ ہمدرد یونیورسٹی کے طلبہ نے سی پی ایس انٹرنیشنل کے قرآن ہال، سی پی ایس سینٹر، نئی دہلی میں پرزنٹیشنز پیش کیا۔ان کے عناوین یہ تھے: سی پی ایس انٹرنیشنل اور اس کے بانی مولانا وحید الدین خان کی شخصیت کا تجزیہ، مولانا وحید الدین خان کی تحریروں کی روشنی میں اسلام اور عالمی امن، مولانا وحید الدین خان کی تحریروں کی روشنی میں خدا کے تخلیقی منصوبے کا تعارف۔پروگرام کے بعد طلبہ نے کہا کہ انہیں سی پی ایس اور مولانا صاحب کی خدمات کے بارے میں بہت کچھ سیکھنے کو ملا۔یہ پروگرام طلبا کے تعلیمی پروجیکٹس کا حصہ تھا، جس کے لیے جامعہ ہمدرد کے شعبہ اسلامک اسٹڈیز نے سی پی ایس انٹرنیشنل سے درخواست کی تھی، اور مستقبل میں بھی سی پی ایس انٹرنیشنل کے تعاون سے وہ اپنے طلبا کے لیے اس نوعیت کا پروگرام رکھنا چاہتے ہیں۔تمام شرکا کو ترجمۂ قرآن کے ساتھ مولانا وحید الدین خاں صاحب کی کتابوں کا ایک ایک سیٹ دیا گیا۔

● ڈاکٹر ریکو، ایک جاپانی اسکالر ہیں، اور مولانا وحید الدین خاں صاحب کی آئڈیالوجی پر جاپان میں ریسرچ کر رہی ہیں۔9 اگست 2024 کو وہ سی پی ایس سینٹر تشریف لائیں اور اردو میگزین الرسالہ اور انگریزی میگزین اسپرٹ آف اسلام کے حوالے سے سی پی ایس انٹرنیشنل کی چیئرپرسن ڈاکٹر فریدہ خانم کا انٹرویو لیا۔آخر میں ان کو سی پی ایس کی کتابوں کا ایک سیٹ دیا گیا۔

● 14-15 ستمبر 2024 کو، سی پی ایس انٹرنیشنل (بنگال چیپٹر) نے کولکاتا میں ایک امن کانفرنس منعقد کی۔اس کانفرنس کا مقصد یہ تھا کہ بنگلہ زبان وکلچر سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی بڑی تعداد جو مولانا صاحب کو جانتی اور پڑھتی ہے، وہ ان کی فکر کو آگے بڑھائے، یعنی اسپریچولٹی، امن اور منصوبۂ تخلیق سے تمام انسانوں کو آگاہ کرنا۔مغربی بنگال کے مختلف اضلاع سے تقریباً 90 افراد نے اس میں شرکت کی۔پروگرام کا افتتاح سی پی ایس کی چیئرپرسن ڈاکٹر فریدہ خانم کے پیغام سے ہوا جو انھوں نے ریکارڈ کر کے بھیجا تھا۔دیگر پروگراموں کے علاوہ میڈیا کے ذریعے سی پی ایس کے پیغام کو عام کرنے کے موضوع پر ایک خصوصی سیشن بھی منعقد ہوا۔اس کے علاوہ قرآن اسٹڈی اور

ڈاکٹر ثانی اثنین خان اور ڈاکٹر راجت ملہوترا کے کی معرفت اور دعوت کے موضوع پر ویڈیو پیغامات سنائے گئے۔ کانفرنس کا اختتام مولانا وحید الدین خان کی تقریر "آخری پکار" کے ذریعہ کیا گیا۔ اس پروگرام میں شریک ہونے والے تمام شرکا مشن کو آگے بڑھانے کے جذبے کے ساتھ رخصت ہوئے۔

● 5 ستمبر 2024 کو کولکاتا میں CPS کی ممبر مز شبینہ علی کو مشینریز آف چیریٹی کے ایک بین مذاہب دعائیہ اجتماع میں مدعو کیا گیا، اور "Pilgrims of Hope" کے موضوع پر خطاب کے لیے کہا گیا۔ انھوں نے اپنی تقریر میں مولانا وحید الدین خان صاحب کا ذکر کیا اور موضوع سے متعلق خیالات شیئر کیے۔ یہ تقریر حاضرین اور پینل کے شرکاء کو بہت پسند آئی۔ بعد میں فادر روزاریو (Fr. Rosario) نے ان کو یہ پیغام بھیجا کہ "براہ کرم کل کی اپنی تقریر بھیجیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اسے اپنے ہفتہ وار اخبار میں شائع کروں۔ یہ بہت عمدہ ہے اور اس قابل ہے کہ دوسرے لوگ بھی اس کو پڑھیں۔" پروگرام کے بعد انھوں نے تمام شرکا کے درمیان سی پی ایس کا دعوتی لٹریچر تقسیم کیا۔

● 8 ستمبر 2024 کو وِدیا جیوتی کالج آف تھیولوجی نئی دہلی کے فادر وکٹر کی قیادت میں عیسائی پریسٹ کی تربیت حاصل کرنے والے طلبا کا ایک وفد سی پی ایس سینٹر (نئی دہلی) آیا۔ یہ ایک انٹرفیتھ ملاقات تھی۔ انہوں نے اسلام اور موجودہ دور کے حوالے سے سی پی ایس انٹرنیشنل کے ممبران کے ساتھ تبادلۂ خیال کیا۔ پروگرام کے بعد تمام لوگوں کو انگریزی ترجمۂ قرآن اور دوسرے دعوتی لٹریچر دیے گئے۔

● 15 اکتوبر 2024 کو ڈاکٹر رجت ملہوترا نے سی پی ایس انٹرنیشنل کی نمائندگی کرتے ہوئے پرانی دہلی میں مسلم نوجوانوں کے ایک اجتماع سے خطاب کیا۔ ان کی تقریر کا موضوع خدا کی محبت اور خدا کا ذکر تھا۔ وہ ہر مہینہ ان نوجوانوں سے کسی ایک اسلامی موضوع پر خطاب کرتے ہیں، اور پھر سوال و جواب کا سیشن ہوتا ہے۔

● 18 مئی 2024 کو مسجد ابراہیم کے ممبران نے عید ملن کا پروگرام منعقد کیا تھا۔ اس موقع پر کامٹی اور ناگپور کی معزز اور ذمہ دار شخصیات کو مدعو کیا گیا تھا۔ شرکا میں سے زیادہ تر لوگ مراٹھی اور ہندی بولنے والے تھے۔ مہمانوں کے ساتھ "اسلام میں امن کی ترقی" کے موضوع پر بات چیت ہوئی، اور سی پی ایس کی جانب سے ہندی، مراٹھی اور انگریزی زبانوں میں امن سے متعلق لٹریچر تمام مہمانوں کو بطور گفٹ دیے گئے۔ تمام شرکا نے اس کو کافی سراہا اور اسے سماجی بھائی چارہ کی جانب ایک مثبت قدم قرار دیا۔

● سی پی ایس انٹرنیشنل کے ممبران شادی کے مواقع کو بھی دعوتی کام کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً، 30 ستمبر 2024 کو CPS رائچور چیپٹر کے ممبر امجد احمد کی بیٹی کی شادی کی تقریب تھی۔ اس موقع پر تراجم قرآن اور دعوتی لٹریچر تمام مہمانوں کے درمیان تقسیم کیے گئے۔ اس کام میں فیاض الدین عمری (کلبرگی) اور عبد السلام عمری (حیدر آباد) نے بھی حصہ لیا۔ انگریزی، کنڑا، تیلگو اور اردو زبانوں میں تراجم قرآن کے نسخے رکھے گئے تھے۔ لوگوں کا رسپانس بہت اچھا رہا (ظہیر الدین خواجہ، رائچور ٹیم)۔

● سی پی ایس لیڈیز ٹیم کی مز فہمیدہ خان نے خبر دی کہ 3 دسمبر 2024 کو انھوں نے ایودھیا میں ایک قریبی رشتہ دار

کی شادی میں شرکت کی اور وہاں سی پی ایس انٹرنیشنل کی کتابوں کی تقسیم کے لیے ایک اسٹال لگایا۔ دعوتِ ولیمہ میں شریک ہونے والے لوگوں نے خوشی اور تعجب کے ساتھ اس کو دیکھا۔ کسی نے کہا: ”آپ کا اسٹال اس شادی کی سب سے دلچسپ جگہ بن گیا ہے۔“ لوگ یہ جان کر حیران تھے کہ کتابیں فری میں دستیاب ہیں۔ کچھ لوگوں نے وہیں بیٹھ کر ان کتابوں کو پڑھنا شروع کر دیا اور بتایا کہ یہ کتابیں دیگر دینی کتابوں کے مقابلے میں بہت آسان اور قابلِ فہم ہیں۔ سپریم کورٹ کے ایک وکیل صاحب نے تبصرہ کیا: ”ایودھیا میں اس طرح سے اسپر یچول کتابیں تقسیم کرنا واقعی حیرت انگیز ہے۔“ بہت سے لوگوں نے یہ طریقہ پسند کیا، اور خوشی خوشی کتابیں لے کر گئے۔

● 2024 میں ہندستان میں مختلف مقامات پر بک فیئر ہوئے۔ مثلاً سری نگر چنار کتاب میلہ (17 تا 25 اگست)، لکھنؤ بک فیئر (27 ستمبر تا 6 اکتوبر)، اورنگ آباد بک فیئر (15 تا 22 دسمبر)۔ مولانا سید اقبال احمد عمری اور مسٹر آصف خان نے مقامی ٹیم سی پی ایس کے تعاون سے ان بک فیئر کے اسٹال کا انتظام سنبھالا۔ حیدرآباد بک فیئر (19 تا 29 دسمبر)، پرولیا، ویسٹ بنگال، بک فیئر (24 تا 30 دسمبر)، چنئی بک فیئر (27 دسمبر 2024 تا 12 جنوری 2025)، وجئے واڑہ، آندھرا پردیش، بک فیئر (12-2 جنوری 2025)۔ ان کا انتظام سی پی ایس انٹرنیشنل کی علاقائی ٹیموں نے سنبھالا۔ بلا تفریقِ مذہب وملت کثیر تعداد میں کتابوں کی چاہت رکھنے والے اور سی پی ایس مشن سے محبت کرنے والے ہمارے اسٹال پر پہنچے، اور بچوں اور بڑوں کی کتابیں حاصل کیں۔ اسی طرح کثیر تعداد میں لوگوں نے اپنے لیے اور اپنے مسلم یا غیر مسلم دوستوں کو بطور تحفہ دینے کے لیے مختلف زبانوں میں تراجم قرآن بھی حاصل کیے۔

● مولانا وحید الدین خاں صاحب کی کتابیں، اور تراجم قرآن عام لوگوں تک مختلف شکلوں میں پہنچائے جا رہے ہیں — ہارڈ کاپی، سافٹ کاپی، آڈیو فارمیٹ میں یوٹیوب اور اسپاٹیفائی وغیرہ پلیٹ فارموں پر۔ انگریزی ترجمۂ قرآن کی آڈیو کو اسپاٹیفائی اور دیگر پلیٹ فارمز پر 4.3 ملین سے زیادہ لوگوں نے ڈاؤن لوڈ کیا ہے۔ اس آڈیو کو شان باریٹ (Sean Barrett) نے خوبصورت انداز میں ریکارڈ کیا ہے۔ آپ بھی اس کو ڈاؤن لوڈ کر سکتے ہیں۔

اسپاٹیفائی پر مولانا صاحب کی کتابیں سننے کے لیے یہ QR کوڈ اسکین کریں ←

اور یوٹیوب پر تقریریں سننے کے لیے اس QR کوڈ کو اسکین کریں ←

اعلان

مولانا وحید الدین خاں صاحب نے اپنی زندگی میں بہت سارے لوگوں کو خطوط لکھے یا ان کے خطوط کے جوابات دیے ہیں۔ جن حضرات کے پاس یہ خط موجود ہیں، براہِ کرم ان کی فوٹو کاپی یا اصل خط ہمیں ارسال فرمائیں تاکہ ان کو ہم اپنے ریکارڈ میں محفوظ رکھ سکیں، شکریہ۔

تفصیل کے لیے رابطہ قائم کریں: 9999944119

अशुभ से शुभ

एक वृक्ष की सफलता इसी में है कि वह छोटे को बड़ा बना सके और मामूली को खास में बदल सके। वह जड़ पदार्थ (बीज) को बढ़ती हुई चीज़ों में बदल देता है। वह बाहर से मिट्टी, पानी और गैस लेता है और उन्हें पत्तों, फूलों और फलों की सूरत में सामने लाता है। इसी तरह किसी इंसानी समाज की बेहतरी इस बात पर निर्भर करती है कि उसके तमाम लोग यह सलाहियत रखते हों कि वे छोटे सलूक को ऊंचे सुलूक में बदल सकें।

इसी तरह इंसान के मानसिक अस्तित्व को भी वैसा ही होना चाहिए जैसा बनाने वाले ने उसके जिस्मानी अस्तित्व को बनाया है। इंसान जो चीज़ें खाता है, उनमें एक हिस्सा शक्कर (चीनी) का होता है। शक्कर अपनी पहली सूरत में इंसान के लिए बेफायदा होती है, इसलिए इंसान के जिस्म में लबलबा (Pancreas) का निज़ाम मौजूद है, जिसका काम है शक्कर को ताकत (एनर्जी) में बदल देना। इसी तब्दीली की सलाहियत पर इंसान की ताकत और सेहत का दारोमदार है। अगर किसी इंसान के जिस्म का यह निज़ाम खराब हो जाए तो शक्कर ताकत में नहीं बदलेगी, बल्कि खून में शामिल हो जाएगी या पेशाब के रास्ते बाहर आ जाएगी। इसके बाद इंसान बेहद कमजोर हो जाएगा इस तरह वो बीमारी पैदा होती है, जिसे डायबिटीज (diabetes) कहा जाता है।

अगर एक इंसान डायबिटीज़ का शिकार हो जाए, यानी उसका जिस्म शक्कर को ताकत में बदलने की सलाहियत खो दे, तो उसकी जिंदगी बेमाने हो जाएगी। वह सब कुछ होने के बावजूद 'कुछ भी नहीं' हो जाएगा। इसी तरह अगर कोई समाज इस सलाहियत से महरूम हो जाए कि उसके लोग मामूली चीज़ों को ऊंचे दर्जे की चीज़ों में बदलने का सबूत न दे सकें, तो वह समाज एक बीमार समाज होगा। ऐसे

समाज को दुरुस्त करने का सिर्फ एक ही तरीका है कि उसमें फिर से यह ऊंची सलाहियत पैदा की जाए।

आज हमारे समाज में जो बिगाड़ और टकराव पाया जाता है, उसका कारण यह नहीं है कि लोगों के बीच सांस्कृतिक फर्क है। इसका असल कारण यह है कि हमारे समाज के लोग मानसिक तौर पर डायबिटिक हो गए हैं। उनमें शक्कर को ताकत में बदलने की सलाहियत नहीं रही। उनमें यह ताकत नहीं रही कि वे 'कमज़ोरी' को अपनी ताकत बना सकें।

सामाजिक जिंदगी में हमेशा ऐसा होता है कि इंसान के साथ नामुनासिब बातें पेश आती हैं। एक इंसान को दूसरे इंसान से शिकायत हो जाती है। किसी के फायदे दूसरे के नफे से टकरा जाते हैं। एक इंसान ऐसे अल्फाज़ कहता है जो सुनने वाले को महसूस होता है कि यह उसकी शख्सियत या समाजी हैसियत पर चोट कर रहे हैं। समाज में इस तरह के वाकये पेश आते हैं और हमेशा पेश आते रहेंगे। हमारे लिए यह मुमकिन नहीं है कि हम इन वाकयों को रोक सकें। लेकिन हमारे लिए यह मुमकिन है कि हम इनसे कोई नेगेटिव (नकारात्मक) असर न लें।

एक सेहतमंद इंसान अपने अंदर जाने वाली शक्कर को ताकत में बदल देता है। तब्दीली का यही अमल मानसिक तौर पर भी होना चाहिए। इस दुनिया में बेहतर समाजी जिंदगी बनाने का राज़ यह है कि लोगों की समझ को इस काबिल बनाया जाए कि वे नामुनासिब वाकयों को अच्छे रवैये में बदल सकें। वे गुस्से के जवाब में माफी पेश करें और बुराई करने वाले के लिए भलाई का तोहफ़ा दें।

मौजूदा समाज के लोग मानसिक तौर पर डायबिटिक हो गए हैं। उनकी इस मानसिक बीमारी का इलाज कीजिए। फिर आप देखेंगे कि जो समाज आपसी झगड़ों और मतभेदों में उलझा हुआ था, वह एक खूबसूरत बाग़ बन जाएगा जिसमें हर तरफ रंग-बिरंगे फूल और पौदे होंगे।

सीमाबद्धता का नियम

सृष्टि या क़ायनात का अध्ययन हमें बताता है कि यहां हदबंदी की विशेष व्यवस्था है। हर चीज़ अपने निश्चित और तयशुदा दायरे में रहकर अपना काम कर रही है। वह अपने दायरे से निकल कर दूसरे दायरे में दाख़िल नहीं होती। यही बात क़ुरान में इन शब्दों में कही गई है:

> "और सूरज, वह अपनी ठहराई हुई राह पर चलता रहता है। यह प्रभुत्वशाली (अज़ीज़) व ज्ञानवान (अलीम) का बांधा हुआ अंदाज़ा है। और चांद के लिए हमने मंज़िलें निर्धारित कर दीं, यहां तक कि वह ऐसा रह जाता है जैसे खजूर की पुरानी शाख़। न सूरज के वश में है कि वह चांद को पकड़ ले और न रात दिन से पहले आ सकती है। और सब एक-एक दायरे में तैर रहे हैं।" (36:38-40)

इन आयतों में उस आकाशीय सच्चाई की तरफ़ संकेत किया गया है कि इस क़ायनात के तमाम घूमने वाले सितारे और सैय्यारे (गृह व नक्षत्र) अपनी-अपनी दायरे (orbit) में ठीक-ठीक और सुनिश्चित ढंग से घूमते हैं। वे कभी अपनी हद को छोड़कर दूसरे की हद में दाख़िल नहीं होते।

यही हदबन्दी या सीमाबद्धता इंसान के लिए भी आदर्श है। क़ुरान में कहा गया है कि जो लोग ख़ुदा की क़ायम की हुई हदों को तोड़ते हैं वे ख़ुदा की नज़र में ज़ालिम (अत्याचारी) हैं। (2:229)

यही बात हदीस में इन शब्दों में कही गई है:

> "और अल्लाह ने हदें क़ायम कर दी हैं। तो तुम उन हदों का उल्लंघन न करो" (मुसतदरक अल-हाकिम, हदीस संख्या 7114)

एक और हदीस में इस बात को मिसाल के ज़रिए इस तरह स्पष्ट किया गया है:

"मोमिन की मिसाल और ईमान वाले की मिसाल ऐसी है जैसे घोड़ा, जो अपनी रस्सी में बंधा हुआ हो। वो घूमता है फिर वह अपनी रस्सी की तरफ़ लौट आता है।" (मुसनद अहमद, हदीस संख्या 11335)

एक घोड़े की गर्दन में पांच मीटर की रस्सी हो। वह रस्सी एक खूंटे से बंधी हो तो घोड़ा अपनी आदत के मुताबिक चारों तरफ़ घूमेगा पर वह रस्सी की लम्बाई से ज़्यादा न जा सकेगा। रस्सी अगर पांच मीटर की है तो उसकी हरकत का दायरा भी पांच मीटर तक सीमित रहेगा।

आसमान के सितारे एक अनदेखी रस्सी में बंधे हुए हैं जो उन्हें उनके तयशुदा दायरे (orbit) से बाहर नहीं जाने देती। इसी तरह इंसान को भी एक नैतिक (अख़लाकी) रस्सी में बांधा गया है। यह रस्सी सही और ग़लत की रस्सी है। उसको सही काम करना है पर ग़लत क़दम नहीं उठाना है। इंसान को इंसाफ़ पर क़ायम रहना है। उसको ज़ुल्म और अत्याचार की इज़ाज़त नहीं उसको जब बोलना है सच बोलना है। झूठ बोलना उसके लिए जायज़ नहीं। उसको अपनी तरक़्क़ी और कामयाबी के लिए प्रयत्नशील रहने की इजाज़त है। पर उसको यह इजाज़त नहीं कि वह दूसरों को नुकसान पहुंचाने की क़ीमत पर अपने लिए फ़ायदा हासिल करे।

इस सत्य को स्पष्ट किया जा सकता है। एक देश को बाहरी गुलामी से आजादी मिली। उसके बाद वहां का एक 'नागरिक सड़क पर निकला। वह खुशी से झूमता हुआ जा रहा था। और अपने दोनों हाथ ज़ोर-ज़ोर से हिला रहा था। इसी बीच उसका हाथ एक राहगीर की नाक से टकरा गया। राहगीर ने ग़ुस्सा होकर पूछा कि तुम इस तरह हाथ हिलाते हुए क्यों चल रहे हो? उस नागरिक ने जवाब दिया: "आज मेरे देश को आज़ादी मिल चुकी है। अब मैं आज़ाद हूं कि जो चाहूं करूं।" राहगीर ने अहिस्ता स्वर में कहा:

"तुम्हारी आज़ादी वहां ख़त्म हो जाती है, जहां से मेरी नाक शुरू होती है।"
(Your freedom ends where my nose begins.)

इस देश में हर आदमी को अमल और कर्म की आज़ादी है पर एक शख़्श को हाथ हिलाने की आज़ादी वहीं तक है जहां वह दूसरे की नाक से न टकराए। जैसे ही दूसरे शख्श की नाक से टकराने की हद शुरू हो वहीं हाथ हिलाने वाले की आज़ादी की हद भी ख़त्म हो जाती है।

हक़ीक़तपसन्दी

किसी ने कहा है, "अपने हक़ से ज़्यादा चाहना अपने आपको अपने वास्तविक हक़ से भी वंचित कर लेना है।" कोई आदमी जब उतना ही चाहे जिसका व सचमुच हक़दार है तो हर चीज़ उसकी मांग का समर्थन कर रही होती है। और जब वह अपने जाएज़ हक़ से ज़्यादा चाहने लगे तो हर चीज़ उसके ख़िलाफ़ हो जाती है। यही वजह है कि पहला आदमी हमेशा कामयाब होता है। और दूसरा आदमी हमेशा नाकाम।

एक बड़ा संस्थान था, उसमें एक मैनेजर की ज़रूरत थी। एक आदमी के अन्दर मैनेजमेंट की सलाहियत थी। उसको वहां मैनेजर की हैसियत से रख लिया गया। संस्थान के डायरेक्टर ने मैनेजर के साथ काफ़ी रियायत का बर्ताव किया। अच्छी तन्ख़वाह, रहने के लिए मकान, आने-जाने के लिए एक जीप और दूसरी कई चीज़े उन्हें हासिल हो गईं।

मगर कुछ दिनों के बाद उस आदमी के मन में ज़्यादा की चाह पैदा हो गई। 'मैनेजर' की हैसियत उसको कम लगी। उसने चाहा कि डायरेक्टर की सीट पर क़ब्ज़ा कर ले। अब मैनेजर ने चुपके-चुपके डायरेक्टर के ख़िलाफ़ मन्सूबा बनाया। मगर मन्सूबे की कामयाबी से पहले डायरेक्टर को उसकी ख़बर हो गई। उसने चटपट कार्रवाई करके उस आदमी को मैंनेजर की पोस्ट से हटा दिया। मकान और जीप वग़ैरह भी छीन ली गई। उनको ज़िल्लत के साथ संस्थान से बाहर निकाल दिया गया।

यह वही चीज़ है जिसको नैतिक भाषा में क़नाअत (संतुष्टि) और हिर्स (लोभ) कहा जाता है। अपनी वास्तविक हैसियत पर राज़ी रहने का नाम 'क़नाअत' है। और अपनी हैसियत से ज़्यादा चाहने का नाम 'हिर्स'। आदमी अगर 'क़नाअत' का तरीक़ा इख़्तियार करता तो वह न सिर्फ़ कामयाब रहता, बल्कि और भी तरक़्क़ी करता। मगर 'हिर्स' का तरीक़ा इख़्तियार करके उसने अपने पाए हुए को भी खो दिया, और आइन्दा जो कुछ वह पा सकता था उसको भी।

जब आप अपने हक़ के बराबर चाहते हैं तो आप वह चीज़ चाह रहे होते हैं जो सच में आपकी है, जो इन्साफ़ के मुताबिक़ आप ही को मिलनी चाहिए। मगर जब आप अपने वास्तविक हक़ से ज़्यादा चाहें तो मानो आप ऐसी चीज़ चाह रहे हैं जो इन्साफ़ के मुताबिक़ आपकी चीज़ नहीं है, बल्कि दूसरे की चीज़ है, फिर दूसरा शख़्स क्यों आपको अपनी चीज़ देने पर राज़ी हो जाएगा।

जब भी आदमी अपने हक़ से ज़्यादा चाहे तो फ़ौरन उसका दूसरे से टकराव शुरू हो जाता है। दूसरे लोग उसकी राह में रुकावट बन कर खड़े हो जाते हैं। अब कशमकश और ज़िद पैदा हो जाती है। दोनों एक-दूसरे के प्रतिद्वंद्वी बन जाते हैं। इसके नतीजे में अक्सर ऐसा होता है कि आदमी अस्ल से ज़्यादा की चाह में अस्ल को भी खो बैठता है।

अपने हक़ से ज़्यादा की चाह करते ही यह होता है कि आदमी विरोधाभास में घिर जाता है। वह अपने हिस्से की चीज़ लेने के लिए एक दलील देता है, और दूसरे के हिस्से की चीज़ पर कब्ज़ा करने के लिए दूसरी दलील इस्तेमाल करता है। इस तरह वह अपने मुक़द्दमे को ख़ुद ही कमज़ोर कर लेता है। वह अपना निषेध आप कर देता है। दो क़िस्म की दलीलों से वह साबित करता है कि पहली चीज़ अगर उसकी है तो दूसरी चीज़ उसकी नहीं है, और अगर दूसरी चीज़ उसकी है तो पहली चीज़ उसकी नहीं हो सकती।

ऐसे आदमी के बारे में यह मिसाल दी जा सकती है कि जो शख़्स दो ख़रगोशों के पीछे दौड़े वह एक को भी पकड़ नहीं सकता। इसी तरह जो शख़्स अपने अस्ल हक़

के साथ और ज़्यादा को चाहने वाला बने वह अस्ल को भी खो देगा। और इसी के साथ 'और ज़्यादा' को भी।

हर आदमी जो दुनिया में पैदा होता है वह ख़ास योग्यता लेकर पैदा होता है। हर आदमी को उसके पैदा करने वाले ने इसी लिए पैदा किया है कि वह एक कामयाब ज़िन्दगी हासिल करे। मगर हर आदमी की एक हद है। और हर आदमी को चाहिए कि वह अपनी हद को जाने। जब आदमी अपनी हद के अन्दर रहे तो दुनिया की तमाम ताक़तें उसको कामयाब बनाने के लिए उसका साथ देती हैं और जब वह अपनी हद से आगे बढ़ने लगे तो हर चीज़ उसका साथ छोड़ देती है। ऐसे आदमी के लिए नाकामी के सिवा और कोई अंजाम इस दुनिया में नहीं।

6 अप्रैल

कम्यूनिस्ट रूस के पहले साशक लेनिन की मृत्यु 1924 में हुई। उसके बाद जोज़ेफ़ स्टालिन रूस का प्रधान मंत्री बना। और मरते दम (1953) तक वो इस ओहदे पर रहा। उसने लगभग 30 साल तक कम्यूनिस्ट रूस के ऊपर निरंकुश हुकूमत की। इस दौरान उसने बेशुमार ज़ुल्म किए। यहां तक कहा जाता है कि उसने लगभग पांच करोड़ इन्सानों को विभिन्न तरीक़ों से मार डाला (*टाइम्स आफ़ इंडिया* 20 अप्रैल 1988)।

स्टालिन की हुकूमत के पूरे दौर में उसके ज़ुल्म इस तरह पूरी तरह छुपाए जाते रहे कि उसका एक लफ़्ज़ भी कम्यूनिस्ट रूस में कहीं भी छप नहीं सका। बाद के एक रूसी प्रधानमंत्री ख़ुश्चेफ़ ने कम्यूनिस्ट पार्टी की बीसवीं कांग्रेस में बन्द कमरे के अन्दर उसके भयानक जुर्मों पर एक लम्बी रिपोर्ट पेश की। यह घटना 25 फ़रवरी 1956 की है। मगर इसके बावजूद ख़ुश्चेफ़ की यह रिपोर्ट न रूस के अख़बारों में छपने दी गई और न बाहर के अख़बारों में। स्टालिन के ज़ुल्मों का रहस्य बदस्तूर रहस्य बना रहा।

मगर 6 अप्रैल 1989 को इस रहस्य का पर्दा फट गया। उस घटना के 33 साल बाद, और असली ज़ुल्मों के आधी सदी से भी ज़्यादा बाद, इस रिपोर्ट को प्रकाशित कर दिया गया। मास्को से छपने वाले एक सरकारी माहनामा न्यूज़ (News) ने 6 अप्रैल 1989 को ख़ुश्चेफ़ की यह रिपोर्ट पूरी की पूरी प्रकाशित की है, और उसका नाम है — व्यक्तिपूजा और उसके प्रभावः

On the personality cult and its consequences.

मौजूदा दुनिया में आदमी सरकशी करता है। वह अपनी बड़ाई क़ायम रखने की ख़ातिर हक़ को मानने से इन्कार कर देता है। फिर भी उसको अपनी अस्ल हैसियत पर पर्दा डालने के लिए ख़ूबसूरत अल्फ़ाज़ मिल जाते हैं। वह समझता है कि मैंने हमेशा के लिए अपने काले कारनामों को छुपा लिया। मगर जिस तरह स्टालिन के लिए "6 अप्रैल" की तारीख़ तय थी और उस तारीख़ के आते ही वह सारी दुनिया के सामने बेनक़ाब हो गया, उसी तरह हर इन्सान के लिए एक "6 अप्रैल" है। उसके आते ही हर आदमी की सच्चाई पहले पेज की ख़बर बन जाएगी, जिस तरह 6 अप्रैल 1989 को स्टालिन की सच्चाई पहले पेज की ख़बर बन गई।

यह दिन बहरहाल हर इन्सान के लिए आने वाला है, चाहे वह आज आए या आज से 50 साल बाद।

ग़रीबी का सबब

टाइम्स आफ़ इंडिया ने 'सोसायटी' के नाम से एक परिशिष्ट (नवम्बर-दिसम्बर 1988) प्रकाशित किया था। उसमें *टाइम्स आफ़ इंडिया* (4 दिसम्बर 1880) की एक ख़बर नक़्ल की गई है। उस वक़्त हिन्दुस्तान में अंग्रेज़ों की हुकूमत थी। एक अंग्रेज़ अफ़सर डब्ल्यू. हंटर ने लन्दन में तक़रीर करते हुए कहा कि इस वक़्त हिन्दुस्तान एक बुनियादी मसले से दो-चार है और वह जनता की ग़रीबी (poverty of the people) का मसला है। उन्होंने कहा कि हमें सोचना चाहिए

कि हिन्दुस्तान जो किसी वक़्त इतना ज़्यादा दौलतमंद समझा जाता था, वह अब इतना ज़्यादा ग़रीब क्यों हो गयाः

> How come it that India was once held to be so rich and now proves to be so poor (p.34)?

इतिहास बताता है कि हिन्दुस्तान मुस्लिम हुकूमत के दौर में निहायत ख़ुशहाल था। अंग्रेज़ी हुकूमत के दौर में पहली बार वह ग़रीब हुआ, और आज़ादी के बाद आज़ाद हुकूमत के ज़माने में भी वह ग़रीब है, बल्कि अब उसकी ग़रीबी में हमेशा से ज़्यादा इज़ाफ़ा हो गया है।

इसकी वजह यह है कि मुस्लिम हुक्मरानों ने मुल्क से जो दौलत हासिल की उसको उन्होंने मुल्क के अन्दर ही ख़र्च किया। इस तरह दौलत का सर्कुलेशन मुल्क के अन्दर ही रहा। अंग्रेज़ों ने यह किया कि मुल्क की दौलत को यहां से निकाल कर इंग्लैंड ले गए। इस तरह दौलत का सुर्कलेशन अन्दर से बाहर की तरफ़ होने लगा। यही अस्ल वजह थी, जिसकी बुनियाद पर हिन्दुस्तान मुस्लिम दौर में ख़ुशहाल था और अंग्रेज़ी दौर में बदहाल हो गया।

दौलत के उल्टे सर्कुलेशन की यही प्रक्रिया 'आज़ाद हिन्दुस्तान' में भी बहुत बड़े पैमाने पर जारी है। हिन्दुस्तान के देसी हुक्मरां और यहां के बड़े-बड़े व्यापारी-उद्योगपति मुल्क की दौलत बाहर ले जाकर यूरोप और अमरीका के बैंकों में जमा कर रहे हैं। इसी के साथ स्मगलिंग का कारोबार मौजूदा हिन्दुस्तान का सबसे बड़ा कारोबार है। वह मुल्क की बेशुमार दौलत को विदेशों में पहुंचा रहा है। इस तरह जो दौलत बाहर जा रही है वह इतनी ज़्यादा है कि अंग्रेज़ों ने अपनी हुकूमत के दौर में भी शायद इतनी ज़्यादा दौलत बाहर नहीं भेजी।

एक आत्महत्या

श्रीमती पदमा देसाई मशहूर उद्योगपति राजाराम किर्लोस्कर की बेटी थीं। उनकी शादी भूतपूर्व प्रधान मंत्री मोरारजी देसाई के बेटे श्री कान्ति देसाई से हुई। इससे

अन्दाज़ा किया जा सकता है कि उनकी हैसियत क्या थी। मगर 16 नवम्बर 1984 को उन्होंने अपनी पांचवीं मंज़िल के फ़्लैट से कूद कर ख़ुदकशी कर ली। उस वक़्त उनकी उम्र 51 साल थी। नीचे गिरने के फ़ौरन बाद वह अस्पताल ले जाई गईं, मगर डाक्टरों ने उन्हें देख कर बताया कि वह अस्पताल पहुंचने से पहले ही मर चुकी हैं।

उन्होंने आत्महत्या क्यों की, इसकी वजह ख़बर में इन लफ़्ज़ों में बताई गई है:

> Padma committed suicide after hearing that the family has lost a case in Supreme court to retain their flat.
> पदमा ने यह ख़बर सुनने के बाद आत्महत्या कर ली कि उनका ख़ानदान अपने फ़्लैट को क़ब्ज़े में रखने का केस सुप्रीम कोर्ट में हार गया है (*हिन्दुस्तान टाइम्स, टाइम्स आफ़ इंडिया*, 17 नवम्बर 1984)।

1977 में जनता पार्टी की कामयाबी के बाद मोरारजी देसाई प्रधानमंत्री बने। प्रधान मंत्री बनने के ढाई साल के अर्से में उनके बेटे शान्ति देसाई ने कई मामले किए। उनमें से एक यह फ़्लैट भी था। मैरिन ड्राईव (बम्बई) में एक बड़ी बिल्डिंग जिसका नाम ओशियाना (Oceana) है। उसकी पांचवी मंज़िल पर यह फ़्लैट था। जनता सरकार के ख़त्म होने के बाद अदालत में यह केस चला कि कान्ति देसाई ने यह फ़्लैट ग़ैर कानूनी तौर पर हासिल किया था। अदालत ने इसके पक्ष में फ़ैसला दिया। श्रीमती पदमा देसाई को इस फ़ैसले की ख़बर टेलीफ़ोन से मिली। उसके बाद उन्होंने छलांग लगा कर आत्महत्या कर ली।

पदमा देसाई ने समझा कि वह आत्महत्या करके हमेशा के लिए अदालत के फ़ैसले से छुटकारा पा रही हैं। लेकिन अगर उन्हें मालूम होता कि वह आत्महत्या करके अपने को ज़्यादा बड़ी अदालत में पहुंचा रही हैं, जहां आत्महत्या करने का भी मौक़ा उनके लिए बाक़ी न रहेगा तो उनका फ़ैसला कुछ और होता।

आदमी की सबसे बड़ी कमज़ोरी जल्दबाज़ी है। वह फ़ौरी तौर पर एक सख़्त क़दम उठा बैठता है, हालांकि अगर वह सोचे तो कभी ऐसा न करे।

बच्चों की तरबियत

एक साहब अपने बच्चों की तरबियत और शिक्षा-दीक्षा का बहुत ख़्याल रखते थे। एक मौलवी साहब रोज़ाना उनके यहां आते थे, ताकि बच्चों को दीनी तालीम दें। इसके अलावा वह ख़ुद बच्चों को नमाज़ की ताकीद करते। वह रोज़ाना अपने बच्चों को लेकर बैठते। उनको कलिमा और दुआएं याद कराते, उनको बताते कि ख़ुदा की इबादत करो। बड़ों का एहतिराम और अदब करो। लोगों के साथ अख़्लाक़ से पेश आओ। वग़ैरह !

मगर उनके बच्चे बड़े होकर वैसे ही शरीर और दुनियादार निकले जैसे आम लोगों के बच्चे होते। इसकी वजह यह थी कि वह साहब अपनी ज़ुबान से तो बच्चों को दीनी तालीम देते और अपने अमल से बेदीनी का नमूना पेश करते। अल्फ़ाज़ के लिहाज़ से वह दीनदार थे, मगर उन्होंने अपने घर में अमली तौर पर दीनदारी की फ़िज़ा नहीं बनाई।

मसलन उन्हें अपने मुहल्ले के एक शख़्स से ज़िद हो गई। यह ज़िद महज़ अहंकार के कारण थी। उनके ख़्याल के मुताबिक़ उस शख़्स ने एक बार उनकी तौहीन कर दी थी। इसके बाद के से उनके अन्दर उसके ख़िलाफ़ इन्तिक़ामी जज़्बा भड़क उठा। घर में उसकी बुराइयां करते। उन्होंने उसको हर तरह बदनाम करने की कोशिश की। उसको नुक़सान पहुंचाने की कोशिशे कीं। यहां तक कि उसके ख़िलाफ़ झूठे मुक़द्दमे क़ायम किए, वग़ैरह।

यह सिलसिला तक़रीबन पन्द्रह साल तक जारी रहा। बच्चे उन साहब की ज़ुबान से दीन की बातें सुनते। और घर के बिगड़े माहौल की वजह से बेदीनी की फ़िज़ा में सांस लेते और मनोविज्ञान का फ़ैसला है कि जहां इस क़िस्म का दोरंगापन पाया जाता हो, वहां आदमी वास्तविक माहौल का असर क़बूल करेगा न कि ऊपरी क़िस्म के अल्फ़ाज़ का। अल्फ़ाज़ की ज़ुबान के मुक़ाबले में अमल की ज़ुबान हमेशा ज़्यादा ताक़तवर साबित होती है।

यही अक्सर 'दीनदार' मां-बाप का हाल है। वे अपने घर वालों के सामने ख़ुदा की बात करेंगे मगर अमली तौर पर उनकी सारी तवज्जुह ग़ैर-ख़ुदा की तरफ़ लगी हुई होगी। वे ज़ुबान से ख़ुदा का नाम लेंगे, मगर अपने घर की अमली व्यवस्था इस तरह बनाएंगे जैसे दुनिया का साज़ो-सामान जमा करने के सिवा ज़िन्दगी का कोई मक़्सद नहीं। अल्फ़ाज़ के ज़रिए वे नेकी की चर्चा करेंगे मगर अपनी कमाई को नेकी की राह में देने के बजाय उसको सिर्फ़ बच्चों के दुन्यवी हौसले पूरे करने में ख़र्च करेंगे।

यह दीनी तरबियत नहीं, बल्कि दीनी तरबियत का मज़ाक है। दीनी तरबियत दीनी अल्फ़ाज़ बोलने का नाम नहीं, बल्कि दीनी माहौल बनाने का नाम है। जिस घर का अमली माहौल दीन के मुताबिक़ न हो, उस घर में कुछ दीनी बातें बोल कर आप दीनी नतीजा पैदा नहीं कर सकते। हक़ीक़त यह है कि घर की बातचीत, घर का पैसा, घर की दिलचस्पी, घर की सरगर्मी, घर के दिन-रात, हर चीज़ को दीन पर ढालना होगा। उसके बाद ही यह मुमकिन है कि बच्चों के अन्दर दीनी मिज़ाज पैदा हो।

क़ौल और अमल यानी कथनी और करनी का यह फ़र्क़ आम है। ऐसी हालत में सवाल पैदा होता है कि इस फ़र्क़ का सबब क्या है। इसका सबब यह है कि बात करना सादा तौर पर सिर्फ़ अल्फ़ाज़ बोलना है, जबकि अमल का ताल्लुक़ दूसरी बहुत-सी चीज़ों से जुड़ा हुआ है। आदमी अगर उन दूसरे पहलुओं का ध्यान रखने के लिए तैयार न हो तो वह कभी अमल का सबूत नहीं दे सकता।

एक शख़्स जब स्टेज पर खड़ा होकर बोलता है तो वह बात को बात की हैसियत से कहता है। मसलन वह इस्लाम के नैतिक उसूलों पर बोल रहा हो तो वह किताबों में लिखी हुई बातों को शानदार अल्फ़ाज़ में दोहरा देगा। किताबी मालूमात और अल्फ़ाज़ का ज़ख़ीरा एक अच्छी तक़रीर करने के लिए काफ़ी है।

मगर अमल का मामला बिल्कुल उल्टा है। किसी उसूल पर अमल करना कोई सादा बात नहीं। अमल करने के वक़्त ऐसा होता है कि तरह-तरह की रुकावटें आदमी की

राह में आती हैं। 'कथनी' में ज़ुबान से लफ़्ज़ों को दुहरा कर काम चल जाता है। जबकि 'करनी' में कठिनाइयों के ख़िलाफ़ जिहाद करके अमल करना पड़ता है।

मसलन एक शख़्स को आप दलीलों के साथ उसकी एक ग़लती बताते हैं और उसके लिए उस अमल का वक़्त आता है कि वह अपनी ज़ुबान से यह कहे कि "मैंने ग़लती की। "ऊपरी तौर पर यह सिर्फ़ चन्द लफ़्ज़ों का बोलना है, मगर इस क़िस्म का 'मानना' आदमी की पूरी शख़्सियत से जुड़ा हुआ होता है। ऐसी स्वीकारोक्ति अपनी प्रतिष्ठा को ख़त्म करने की तरह है। यही वजह है कि हम यह दृश्य देखते हैं कि दूसरों की ग़लती बयान करने वाले बेशुमार हैं मगर अपनी ग़लती मानने वाला कोई नहीं।

आप इस्लाम की महान शख़्सियतों की सच को मानने की घटनाएं अपनी तक़रीर में शानदार तौर पर बयान कर सकते हैं, क्योंकि इससे आपकी अपनी ज़ात पर कोई फ़र्क़ नहीं पड़ता। मगर जब ख़ुद अपनी एक ग़लती को मानने का मामला हो तो उस वक़्त ख़ुद अपनी ज़ात ज़द में आ जाती है। और एक मैदान का कामयाब इन्सान दूसरे मैदान में नाकाम साबित होता है।

यही वह ख़ास वजह है, जिसकी वजह से आदमी उसूल को बयान करता है, मगर वह उसूल पर अमल नहीं करता। क्योंकि उसूल पर अमल करते हुए वह महसूस करता है कि उसके स्वार्थों को चोट पहुंच रही है। कहीं उसको अपने अहं पर चोट पड़ती हुई दिखाई देती है। कहीं एक उसूल पर अमल करने का मतलब होता है कि दूसरों की तरफ़ से पेश आने वाली नाख़ुशगवारियों को एकतरफ़ा तौर पर बर्दाश्त कर लिया जाए, बुराई के जवाब में भलाई का रवैया इख़्तियार कर लिया जाए।

इसी तरह कभी इसका मतलब यह होता है कि एक मिली हुई चीज़ को बिना शर्त दूसरे के हवाले कर दिया जाए, क्योंकि वह अपनी चीज़ न थी, बल्कि दूसरे की चीज़ थी। कभी उसकी ख़ातिर दुश्मन को गले लगाया जाता है और जो दोस्त था, उसको दुश्मन बना लेना पड़ता है।

ये सब बेशक निहायत मुश्किल काम हैं; लेकिन घर के अन्दर इन्हीं चीज़ों का माहौल क़ायम करने का नाम बच्चों की तरबियत है। अगर आप अपनी अमली ज़िन्दगी में इन उसूलों पर अमल न करें तो इसके बाद कोई चीज़ आपके बच्चों को बिगड़ने से बचा नहीं सकती, चाहे आप सुबह-शाम अपने घर में क़ुरआन की तिलावत करते हों और चाहे आपने अपने बच्चों और बच्चियों को दारुल-इस्लाह और जामिअतु-स्सालिहात में तालीमी सनद (शैक्षिक प्रमाण पत्र) के लिए भेज रखा हो।

इबरतनाक

महमूद आलम साहब (श्रीनगर) ने अपना एक वाकया लिखा है। उसका ख़ुलासा उन्हीं के लफ़्ज़ों में अख़बार दावत (10 अप्रैल 1990) से यहां नक़्ल किया जाता है।

"हम चन्द दोस्त एक होटल में बैठे बातचीत कर रहे थे। यह होटल लेखकों, शायरों और पत्रकारों के लिए एक क्लब का काम करता था। रोज़ाना शाम को उसके हाल में जमा होकर लोग एक कप गर्म चाय के साथ दुनिया की सियासत से लेकर मुल्क के मसलों पर गर्मा-गर्म बहस कर सकते थे। हम में से हरेक वहां अपनी क़ाबलियत का जौहर दिखता था। जिस तरह मदारी की डुगडुगी पर मजमा लग जाता है, हमारी असरदार बातचीत से लोगों की भीड़ जमा होने लगी। आज हमारी बातचीत अरब और इस्राईल के दरमयान होने वाली जंग के बारे में थी। हम जोश और जज़्बे से अपनी मालूमात पेश कर रहे थे। हमारे एक फ़ाज़िल दोस्त ने अपने अन्देशों का इज़हार करते हुए कहा कि अगर मुसलमानों की हालत यही रही तो बैतुलमक़्दिस का मिलना तो दूर रहा, अजब नहीं कि ख़ान-ए-काबा पर भी ग़ैरों का क़ब्ज़ा हो जाए। अभी हमारे दोस्त ने जुमला पूरा नहीं किया था कि एक देहाती मुसलमान बिगड़ गया, 'क़ुरआन पढ़ा है आपने? मालूम होता है कि आपने क़ुरआन नहीं पढ़ा। उसने तेज़ लेहजे में कहा हम मुस्कराने लगे। मौजूद लोगों को देहाती की यह दख़लअन्दाज़ी हास्यास्पद मालूम हुई। लेकिन देहाती के अगले जुमले ने हमारे होश उड़ा दिए, "आपने

सूरः फ़ील पढ़ी है? अलम्-तर कयफ़ फ़अल रब्बु-क बि-अस्हाबिल-फ़ील को जानते हैं आप? हमारे सर झुक गए और हमारी ज़ुबाने गूंगी हो गईं। कितनी सीधी और सच्ची बात थी। हम ख़ामोशी से उठ गए। और हमें एहसास हुआ कि हमने अब तक कुछ नहीं पढ़ा। पढ़ लिख कर भी हम जाहिल रह गए।"

मौजूदा ज़माने की मुस्लिम तहरीकों का यह निहायत सही नक़्शा है। जिन चीज़ों की ज़िम्मेदारी ख़ुदा ने ले रखी है, उनके नाम पर वे हंगाम करने में लगे हुए हैं और जिस चीज़ की ज़िम्मेदारी ख़ुद उन पर डाली गई है, उसके लिए ये तहरीकें कुछ नहीं करती।

"इस्लाम और इस्लामी प्रतीकों व चिन्हों पर हमला" जैसे मुद्दों पर हर आदमी जोश दिखा रहा है, हालांकि उनकी हिफ़ाज़त करने वाला ख़ुद ख़ुदा है।

पहला स्कूल

इल्म और तालीम की अहम्मियत इस्लाम में इतनी ज़्यादा है कि हर दूसरी मसलहत पर इसको बड़ाई हासिल है। मौजूदा ज़माने में मुसलमान तालीम के मैदान में दूसरी क़ौमों से पीछे हो गए। और इसकी सबसे बड़ी वजह यह थी कि मौजूदा ज़माने में जो तालीमी इदारे (शिक्षा-संस्थाएं) क़ायम हुए उनमें पढ़ाने वाले ज़्यादातर ग़ैरमुस्लिम थे। मुसलमानों के लीडरों ने कहा कि ये ग़ैरमुस्लिम उस्ताद हमारे बच्चों को ख़राब कर देंगे, इसलिए इन इदारों में मुसलमानों को दाख़िल करना दुरुस्त नहीं। उसके नतीजे में मुसलमान तालीम में बहुत पीछे हो गए।

यह सोच दुरुस्त न थी। इसका सबूत यह है कि इस्लाम की तारीख़ में जो सबसे पहला स्कूल खोला गया, उसके तमाम उस्ताद ग़ैरमुस्लिम थे। यह स्कूल मदीना में मक्का के क़ैदियों के ज़रिए खोला गया जो सब के सब ग़ैरमुस्लिम थे। कुछ लोग सुफ़्फ़ा को इस्लामी मदरसा कहते हैं। लेकिन सुफ़्फ़ा तरबियतगाह था न कि तालीमगाह। इस्लाम की पहली तालीमगाह यक़ीनन वह है जो बद्र की लड़ाई के क़ैदियों के ज़रिए मदीना में क़ायम की गई और इसके टीचर सब के सब ग़ैरमुस्लिम थे।

यहां तक कि इस तालीमी निज़ाम की वजह से मसले भी पैदा हुए। मसलन मुस्नद अहमद बिन हंबल की एक रिवायत में बताया गया है कि रसूलुल्लाह (स.अ.व.) ने बद्र के कैदियों का फिद्या यह तय किया कि वे अन्सार के लड़कों को लिखना-पढ़ना सिखा दें। इसके बाद एक रोज़ एक लड़का रोता हुआ अपनी मां के पास आया। मां ने पूछा कि तुम्हारा हाल क्या है? उसने कहा कि मेरे मुअल्लिम (शिक्षक) ने मुझे मारा है। (मुसनद अहमद, हदीस संख्या 2216)

ये क़ैदी सब के सब इस्लाम के प्रतिद्वंदी थे। उनको छोड़ने में यह अन्देशा था कि वे दोबारा इस्लाम के ख़िलाफ़ मसला बनेंगे। इसके बावजूद उन्हें तालीम की क़ीमत पर छोड़ दिया गया। इससे मालूम हुआ कि तालीम की अहम्मियत इस्लाम में इतनी ज़्यादा है कि हर अन्देशे को अनदेखा करके इसे हासिल करना चाहिए।

द्वेष आदमी के दीन को खा जाता है

नबी सल्लल्लाहु अलैहि वसल्लम ने फ़रमाया, "बुग़्ज़ (द्वेष) मूंडने वाली चीज़ है। मैं यह नहीं कहता कि वह बाल को मूंडता है, किन्तु वह दीन को मूंडता है। उस ज़ात की क़सम जिसके क़ब्ज़े में मुहम्मद की जान है, तुम जन्नत में नहीं दाख़िल हो सकते जब तक कि मोमिन न बनो और मोमिन बन नहीं सकते जब तक आपस में मुहब्बत न करो।" (सुनन अल-तिर्मिज़ी, हदीस संख्या 2509)

ईमानदारी के साथ साझेदारी करने वालों का साथी ख़ुदा होता है

रसूलुल्लाह (स.अ.व.) ने फ़रमाया, "अल्लाह फ़रमाता है कि जब दो आदमी मिल कर काम करते हैं तो मैं उन दो का तीसरा होता हूं, जब तक उन में से कोई बेईमानी न करे। और जब उनमें से कोई बेईमानी करे तो मैं उनके बीच से निकल जाता हूं और उसके बाद वहां शैतान आ जाता है।" (सुनन अबू दाऊद, हदीस संख्या 3383)

BOOKS FOR UNDERSTANDING THE SPIRITUAL ESSENCE OF ISLAM

These books provide the general reader with an accurate and comprehensive picture of Islam– the true religion of submission to God.

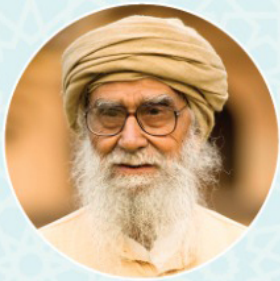

To order call: 8588822675
sales@goodwordbooks.com

www.goodwordbooks.com

Date of Posting 10th and 11th of advance month
Published on the 1st of every month
Posted at NDPSO

Postal Regn. No. DL(S)-01/3130/2021-23
RNI 28822/76
Licenced to Post without Prepayment U (SE) 12/2021-23